بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

ماہنامہ الفرقان ربوہ

اکتوبر سنہ ۱۹۶۰ء

(ایڈیٹر)

ابو العطاء جالندھری

نائبین:۔ غلام باری سیف مولوی فاضل ۔ محمد شریف خالد ایم۔اے
عطاء الکریم شاہد بی۔اے ۔ حکیم خورشید احمد شاد مولوی فاضل

چندہ سالانہ:۔ چھ روپے * بیرونی ممالک:۔ بارہ شلنگ

آپ کی فوری توجہ کے لئے

ایک درخواست

اے بے خبر بخدمتِ فرقاں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

(۱) رسالہ الفرقان کا نیا دس سالہ دَور شروع ہے۔ یہ رسالہ ایک دینی اور تبلیغی رسالہ ہے۔ اس کی اشاعت اسی نقطۂ نگاہ سے جاری ہے۔ ہمارے امام ایدہ اللہ بنصرہ اس کی توسیع اشاعت کیلئے ارشاد فرما چکے ہیں۔ آپ نے تیس چالیس ہزار بلکہ ایک لاکھ تک اس کی تعداد کی ضرورت کا ذکر فرمایا ہے۔ دیگر صدہا بزرگ اور احباب اس کی سفارش فرما چکے ہیں۔ ہمارے خریدار حضرات میں سے ہر شخص اس رسالہ کی افادیت کا قائل ہے۔ ان میں سے بعض مخلص احباب ہمیشہ ہی اس کی خریداری بڑھانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں جزاہم اللہ خیراً۔ مگر ابھی بہت بڑی تعداد ایسی ہے کہ جنہوں نے اس رسالہ کی اشاعت کی توسیع کے لئے پوری کوشش نہیں فرمائی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہمارے سب دوست پورا پورا تعاون فرمائیں اور اپنے اپنے حلقۂ احباب میں رسالہ کی خریداری کی تحریک فرمائیں تو بہت جلد رسالہ کی اشاعت پانچ ہزار ہو سکتی ہے۔ یہ تعداد حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ کے ارشاد کی تعمیل میں پہلا قدم ہوگا۔ یقیناً میں اپنے بھائیوں سے یہ درخواست کرنے میں حق بجانب ہوں کہ وہ اس طرف توجہ فرمائیں اور ہر خریدار بھائی کم از کم اس سال کے اختتام سے پہلے پہلے ایک ایک خریدار مزید مہیا فرمائے۔ جزاکم اللہ خیراً۔ ایسے اعانت کنندگان کا شکریہ سے ذکر ہوگا۔

(۲) رسالہ کا سالانہ چندہ چھ روپے ہے لیکن جو دوست دس سال کا چندہ پیشگی ادا فرمائیں گے ان کے لئے ایک تو یہ رعایت ہے کہ وہ ساٹھ کی بجائے پچاس روپے ادا فرمائیں۔ دوسرے وہ رسالہ کے خاص معاونین میں شمار ہوں گے اور ان کے ناموں کی فہرست رسالہ کی طرف سے دس سال تک ہر ماہ دعا کی تحریک کے ساتھ شائع ہوتی رہیگی۔ تیسرا اور اصل فائدہ یہ ہوگا کہ وہ اس تبلیغی رسالہ اور دینی مجلہ کی مضبوطی اور استحکام کا ثواب حاصل کریں گے نیز دفتر کو ہر سال وی پی وغیرہ کا سوال نہ رہے گا اور انہیں بھی اطمینان ہوگا۔ کیا آپ اس طریق پر رسالہ الفرقان کے دس سالہ دور کے "لائف ممبر" بن سکیں گے؟ پچاس روپے کی رقم یکمشت ارسال فرمائیں یا آخر دسمبر سنہ ۶۰ء تک بالاقساط ادا کر دیں۔ بہرحال مجھے مطلع فرمائیں کہ آپ لائف ممبر بننے کا ارادہ رکھتے ہیں تا فہرست میں آپ کا نام بھی شامل کر لیا جائے۔ فہرست مرتب ہو رہی ہے اور جلد ماہ بماہ شائع ہونی شروع ہو جائے گی انشاء اللہ۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس ذیل میں سیدی حضرت میرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی کا نام سرِ فہرست ہے۔

خاکسار۔ خادم ابوالعطاء جالندھری
ایڈیٹر رسالہ الفرقان ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۱۰ شمارہ ۱۰　　**الفرقان - ربوہ (پاکستان)**　　اکتوبر ۱۹۶۰ء

مندرجات

عنوان مضمون	مضمون نگار	نمبر صفحہ
• شذرات	ایڈیٹر	ص۲
• آئینۂ یقین (نظم)	جناب عبدالسلام صاحب اختر ایم اے	ص۸
• لغوی اغلاط و تحریفات	جناب شیخ محمد احمد صاحب ایڈووکیٹ لائلپور	ص۹
• "چراغِ سحر"	ماخوذ	ص۱۱
• بیمار پُرسی	جناب خانصاحب ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب	ص۱۲
• پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں	ادارہ	ص۱۵
• بہائیت کی تعلیمات اور عیسائیت	جناب مولوی محمد اجمل صاحب بی۔اے۔ شاہد	ص۱۶
• ہمارے ہادیٔ کامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کا ایک نمونہ۔	حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب	ص۲۲
• قرآن مجید پر تدبّر اور ہمارا فرض	جناب مولوی عبدالمنان صاحب شاہد مربی سلسلہ احمدیہ	ص۲۵
• ایک پادری صاحب سے ملاقات	جناب نواب منظور احمد صاحب سکھر	ص۳۴
• تعلق باللہ	جناب ناصر احمد صاحب راولپنڈی	ص۳۶
• نغمۂ واردات (نظم)	جناب مولوی مصلح الدین صاحب مرحوم	ص۳۷
• مجلس صوفیاء میں ایک سوال اور اس کا جواب	حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی مدظلہ	ص۳۸
• چند گھنٹے قادیان میں	جناب علامہ نیاز فتحپوری مدیر "نگار" لکھنؤ	ص۴۱
• احمدیہ پریس کے متعلق جماعت کی ذمہ داری	جناب محمد کریم اللہ صاحب ایڈیٹر "آزاد نوجوان" مدراس	ص۴۲
• عیسائیوں کے اخلاق کا مظاہرہ	جناب مولوی نصیر احمد صاحب ناصر مربی سلسلہ احمدیہ سیالکوٹ	ص۴۶
• میری بیٹی عزیزہ امۃ اللہ خورشید "مدیرہ مصباح" کا افسوسناک انتقال	ابوالعطاء جالندھری	ص۴۷

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کی یاد میں

خاص نمبر

سلسلہ احمدیہ کے عالم اجل اور ہمارے مشفق استاد حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ کی وفات پر تیس برس بیت چکے ہیں مگر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ ابھی تازہ واقعہ ہے۔ آپ کی خدمات دینیہ اور حالاتِ زندگی کو یکجا شائع کرنے کیلئے رسالہ الفرقان دسمبر ۱۹۶۰ء میں اپنا خاص نمبر شائع کر رہا ہے۔ جملہ احباب سے درخواست ہے کہ وہ اس نمبر کے لئے اپنے مشاہدات و تاثرات قلمبند فرما کر جلد ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

ایڈیٹر الفرقان - ربوہ

شذرات

(۱) قرآنی پیشگوئی کے ظہور کا ایک پہلو

آج سے چودہ سو برس قبل جب غارِ حرا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل، جامع اور آخری شریعت کے نزول کا آغاز ہوا تو اس کا نام اللہ تعالیٰ نے "قُرآنٌ مَجِیدٌ" رکھا۔ جس کے معنے ہیں ایسی مرتب اور عظمت و مجد والی کتاب جسے ہمیشہ اور بکثرت پڑھا جائے گا۔ ایک اُمّی نبی پر کتاب نازل ہو رہی ہے اور ایسے لوگوں میں اس کا نزول ہو رہا ہے جو محض اَن پڑھ تھے اور درس و تدریس سے انہیں کوئی شغف نہ تھا مگر اس کا نام ایسا تجویز کیا جاتا ہے جس میں یہ پیشگوئی ہے کہ یہ کتاب بکثرت اور ہمیشہ پڑھی جائے گی۔ ان حالات میں یہ نام رکھنا خود بڑی اہم خبر ہے اور پھر جب چودہ سو سال کی تاریخ پر نظر کی جائے تو اس پیشگوئی کا روزِ روشن کی طرح پورا ہونا ایک بڑا نشان ہے۔ جہاں اور جس ملک میں مسلمان ہیں وہ روزانہ اس پاک کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ بلحاظ قراءت دنیا بھر کی کوئی کتاب قرآن مجید سے لگا نہیں کھا سکتی۔ آج متعدد الہامی کتابوں کی زبانیں نابود کے درجہ میں ہیں مگر عربی زبان ایک زندہ زبان ہے اور اسے ملکی پھیلاؤ کے لحاظ سے اس سے بدرجہا زیادہ وسعت حاصل ہو چکی ہے جو نزولِ قرآن پاک کے وقت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج غیر ملکوں میں بھی قرآن مجید کی اشاعت اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ امریکہ کی ایک خبر ملاحظہ فرمائیں:-

"نیو یارک ۱۲ اکتوبر۔ نیو امریکن لائبریری پبلشنگ ہاؤس نے اعلان کیا ہے۔ کہ ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ کی اس نے جتنی مذہبی کتابیں شائع کی ہیں ان میں "دی مینِنگ آف دی گلوریس قرآن" سب سے زیادہ مقبول ہے۔ قرآن کریم کا یہ "تشریحی ترجمہ" محمد مارماڈیوک پکتھال نے کیا ہے۔ نیو امریکن لائبریری نے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۳ء میں شائع کیا تھا۔ اور اب تک اس کے سات ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اب تک اس کے چار لاکھ نسخے فروخت ہو چکے ہیں جو ایک ریکارڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۰ء)

(۲) عیسائی پادریوں کو روحانی مقابلہ کی دعوت اور "مسیحی خادم"

الفرقان کے اگست ۶۰ء کے شمارہ میں گوجرانوالہ کے عیسائی رسالہ "مسیحی خادم" کے جواب میں ہم نے ایک مبسوط مقالہ "پاکستانی عیسائیوں کو روحانی مقابلہ کی دعوت" کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ چاہیئے تھا کہ عیسائی صاحبان خوفِ خدا سے کام لیکر اس دعوت کو قبول کرتے اور اپنے جارحانہ اندازِ تحریر سے اجتناب اختیار کرتے مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہوا۔ ایڈیٹر رسالہ "مسیحی خادم" نے صحیح طریق اختیار کرنے کی بجائے پھر اسی غیر مہذب رویّہ میں جواب دیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے بارے میں دعا شائع کی تھی

کہ جھوٹا پہلے مر جائے۔ آپ کا انتقال ۱۹۰۸ء میں ہو گیا اور مولوی ثناء اللہ ۱۹۴۸ء میں سرگودھا میں فوت ہوئے۔

ہمیں افسوس ہے کہ "مسیحی خادم" کے ایڈیٹر کو کمیِ علم کے باعث شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے ۱۹۰۷ء میں جو دعا شائع فرمائی تھی وہ دعائے مباہلہ تھی۔ جس میں دونوں فریق اپنی اپنی طرف سے دعا کرتے ہیں۔ اور جب یہ مباہلہ منعقد ہو جاتا ہے تو یہ معیار قرار پاتا ہے کہ دعائے مباہلہ کرنے والے دونوں فریق میں سے جھوٹا پہلے مرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی اس دعائے مباہلہ کے شائع ہونے پر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بالمقابل دعا شائع کرنے کی بجائے لکھ دیا تھا کہ:۔

(۱) "اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی۔ اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا۔"

(۲) "یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے۔"

(اخبار اہلحدیث ۲۶ر اپریل ۱۹۰۷ء)

ظاہر ہے کہ جب مولوی ثناء اللہ مباہلہ کے طریق پر فیصلہ کے لئے آمادہ نہ ہوئے تو فریقین میں سے کسی کا پہلے یا پیچھے فوت ہونا معیار صداقت قرار نہیں پا سکتا۔ مولوی صاحب نے تو جواب میں یہ شائع کیا تھا کہ:۔

"آنحضرت صلعم باوجود سچا نبی ہونے کے مسیلمہ کذاب سے پہلے انتقال فرما گئے اور مسیلمہ باوجود کاذب ہونے کے صادق کے پیچھے مرا۔"

(مرقع قادیانی اگست ۱۹۰۷ء)

ایڈیٹر صاحب مسیحی خادم کا ان حالات میں یہ اعتراض کرنا اگر معاندانہ رویہ نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا اسے معلوم نہیں کہ یسوع مسیح کی وفات کے بعد انکے ہزاروں دشمن اور مخالف زندہ رہے تھے؟ ہاں "مسیحی خادم" کا یہ خالص پادریانہ جھوٹ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی وفات ہیضہ سے ہوئی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو کیا انگریزی حکومت میں ریل کے رستہ لاہور سے قادیان لیجانے کی اجازت مل سکتی تھی؟

یہ تو وہ غلط اعتراض تھا جو ایڈیٹر "مسیحی خادم" نے ہماری **روحانی مقابلہ کی دعوت** سے بچنے کے لئے اختیار کیا ہے۔ ہم پھر اپنی دعوت کو دہراتے ہیں۔ اور پاکستان کے نمائندگان نصرانیت سے پر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ موجودہ مسیحیت اور اسلام کی سچائی کے فیصلہ کے لئے روحانی مقابلہ کے میدان میں آئیں۔ تا حق و باطل میں کھلا کھلا فیصلہ ہو جائے۔ لاعلاج بیماروں کے بارے میں تصفیہ سے دعا کا مقابلہ کر لیں۔ اس مستند مقابلہ سے مسٹر داؤد والے "مظاہرات" کی حقیقت بھی کھل جائے گی۔ علم توجہ کے "کارناموں" کو مسیح کی الوہیت کی دلیل قرار دینے کا بھرم بھی کھل جائیگا۔ کیا پادری صاحبان میں اس روحانی مقابلہ کیلئے طاقت و ہمت ہے؟

(۳) نبی اور دوسروں کی ملازمت

جناب مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی ایڈیٹر "صدق جدید" لکھنؤ لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں ارشاد ہوا ہے فسقی ... فقیر (القصص ع ۳) آپ نے دونوں لڑکیوں کے لئے کنوئیں سے بھر کر پانی پلایا، پھر سایہ کی جگہ پر بیٹھے۔ پھر عرض کی کہ اے

پروردگار جو نعمت بھی تو مجھے دے میں اس
کا حاجتمند ہوں۔
پیغمبر دوسروں کی خدمت کے لئے ان
کے ہاں ملازمت بھی کر سکتے ہیں اور ان
سے اپنی خدمت کی اجرت یا تنخواہ طے
کر سکتے ہیں۔ یہ سب تفصیل اسی قصۂ
موسوی کے اسی مقام پر قرآن میں مذکور
ہے۔" (صدق جدید ۲۳ ستمبر سنہ ۶۰ء)
اس اقتباس سے ایک اصولی مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

(۴) "چراغ سحر" — عطاء اللہ شاہ بخاری

اسی رسالہ میں دوسری جگہ اخبار پرتاپ جالندھر کا ایک اقتباس "چراغ سحر" کے عنوان سے درج ہے۔ جس میں ایڈیٹر پرتاپ نے روزنامہ کوہستان کے نامہ نگار کی رپورٹ شائع کر کے آخر میں لکھا ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا یہ کیسا "حسرتناک" انجام ہے۔

ہمیں اس سلسلہ میں کچھ کہنے کی نہ پہلے ضرورت تھی نہ اب ہے۔ مقام تعجب ہے کہ سابق احراری لیڈر مولوی محمد علی جالندھری ناظم اعلیٰ درسگاہ تعلیم القرآن ملتان کو ۱۰ ستمبر سنہ ۶۰ء کو ہمیں رجسٹرڈ خط لکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ بے شک ماہ اگست میں ملتان سے گزرتے ہوئے میں نے سید عطاء اللہ شاہ صاحب سے ان کے مکان پر سرسری ملاقات کی تھی مگر اس بارے میں ہنوز میں نے کوئی تاثرات شائع نہیں کئے۔ "ناظم اعلیٰ" صاحب اپنی غلط فہمی کے ماتحت مجھے لکھتے ہیں کہ ربوہ میں ایک "اجتماع کا انتظام" کیا جائے شاہ صاحب تقریر کریں گے آپ کو اور دنیا کو شاہ صاحب کے "عقیدتمندوں اور جاں نثاروں کا اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کتنے ہیں اور کس درجہ کے ہیں"۔

جواباً گزارش ہے کہ جب "عقیدتمندوں اور جاں نثاروں" کا "اندازہ" شاہ صاحب کی زبان اور ملتان کی رہائش گاہ سے ہو جاتا ہے، کوہستان کی رپورٹ سے ہو رہا ہے تو ان کی "تعداد" اور "درجہ" معلوم کرنے کے لئے ربوہ میں اجتماع منعقد کرنے اور اس بیماری میں شاہ صاحب کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے۔ قیام امن کی بجائے فساد کرنے اور ٹھوس کام کی بجائے ہنگامہ خیزی سے قوموں کو عروج حاصل نہیں ہوا کرتا۔

(۵) مرکز احمدیت — قادیان میں چند گھنٹے!

اسی شمارہ میں ہم دوسری جگہ ماہنامہ نگار لکھنؤ کے فاضل مدیر جناب علامہ نیاز فتحپوری کے ان تاثرات کو نقل کر رہے ہیں جو انہوں نے قادیان دارالامان کی زیارت کے بعد اپنے رسالہ میں شائع فرمائے ہیں۔ اس بے لاگ تبصرہ میں بہت سی سعید روحوں کے لئے سامان ہدایت موجود ہے۔
اگر یہ سچ ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے، تو جناب نیاز فتحپوری کا غیر جانبدارانہ بیان احمدیت اور بانی سلسلہ احمدیہ کی صداقت پرکھنے کے لئے بہترین کسوٹی ہے۔ جس مقدس انسان کی برکت سے قادیان کو دارالامان بننے کا شرف حاصل ہوا۔ یہاں کے باشندوں کو روحانی زندگی نصیب ہوئی۔ اس مقدس انسان کے متعلق جناب نیاز کے الفاظ خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"میں نے یہاں سے رخصت ہوتے وقت
اس قطعۂ زمین کو بھی دیکھا جہاں حضرت مرزا
غلام احمد صاحب آسودۂ خواب ہیں اور
ان کی وہ تمام مجاہدانہ زندگی سامنے آگئی
جس کی کوئی دوسری نظیر مجھے اس دور میں
تو کہیں نظر نہیں آتی"۔

کیا مسلمان بھائیوں کے لئے ابھی تک وقت نہیں آیا کہ وہ حضرت بانی سلسلہ اور ان کی تحریک سے انصاف کریں؟

(۶) علامہ اقبال کے اعتراض کی کھوکھلی وجہ

جناب مدیر "چٹان" اپنی "غلطیہائے مضامین" کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

"علامہ اقبال نے ملّا و صوفی پر خصوصیت سے اسلئے بھی طعن و طنز کیا ہے کہ وہ جہاد کی حسب منشاء تاویلوں سے اصل اسلام کو ضعف پہنچاتے اور جس اساس پر دعوتِ اسلام کا انحصار ہے اسے ابنائے سلطنت کی خوشنودی کے لئے ڈھاتے ہیں۔ ضربِ کلیم میں اسی سے متعلق واشگاف اشارے موجود ہیں۔ میرزا غلام احمد کی نبوّت ظلی پر حضرت علّامہ کے اعتراض کی بنیادی وجہ ہی یہ تھی کہ وہ روحِ جہاد سے خالی ہے ——— تلمیح یا کنایہ ملاحظہ ہو ؎

وہ نبوّت ہے مسلماں کے لئے برگِ حشیش
جس نبوّت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام"

(چٹان لاہور ۲۶ر ستمبر ۶۰ء)

اس اقتباس میں مضمون کی غلطی بھی ہے اور تمہید کی بھی۔ اقبال ایک شاعر تھے نبوّت کے بارے میں ان کا بیان بالخصوص شاعرانہ بیان کسی طرح سند کا درجہ نہیں رکھتا۔ دعوتِ اسلام کا آغاز مکّہ معظمہ میں ہوا اور دس سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اللہ تعالے امکی سورتوں میں پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کو کہتا رہا وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (سورۃ الفرقان) کہ منکرین سے قرآن کے ذریعہ جہادِ کبیر کرتا رہ۔ نہ کوئی جنگ تھی نہ مقاتلہ تھا اور نہ مسلمان برسرِ پیکار تھے۔ ہاں ایک مسلسل روحانی جہاد تھا۔ دردمندانہ تبلیغ تھی۔ کیا یہ مانا جا سکتا ہے کہ کوئی مسلمان اس دس سالہ مبارک مگر تلخی و ترشی کے دور کو "برگِ حشیش" کہہ سکتا ہے؟ پھر کون نہیں جانتا کہ جن کم و بیش تمیں ۳۰ انبیاء کے اسماء گرامی قرآن پاک میں مذکور ہیں ان میں سے بیشتر کو خدا کے دین کی خاطر تلوار استعمال نہیں کرنی پڑی۔ حضرت مسیح، یحییٰ، زکریاؑ، الیاسؑ، لوطؑ، شیثؑ، ادریسؑ، ہارونؑ، موسیٰؑ، ابراہیم اور نوح علیہم السلام اسی زمرہ میں شامل ہیں۔ کیا ان سب کی نبوّت کو "برگِ حشیش" قرار دینا کفر نہ ٹھہرے گا؟

جنابِ شورش پر واضح ہو کہ دعوتِ اسلام اپنی اساس میں بنیادی طور پر کسی جنگ اور قتال کا پیغام نہیں ہوتی ہاں اسلام کے دشمن اپنے تشدّد اور جبر سے دفاعی جنگ کے لئے مسلمانوں کو مجبور کر دیتے ہیں۔ یہی صحابہ کا طریق تھا، اسی پر جملہ انبیاء کا عمل پیرا رہے اور یہی حضرت میرزا غلام احمد علیہ السلام کی تعلیم ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جو تلوار سے اسلام کو مٹانا چاہیں گے وہ تلوار سے قتل کئے جائیں گے۔ باقی رہا "قوت و شوکت کا پیام" تو یاد رہے کہ جب ابھی آپ کا شاعر "ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا" کہہ رہا تھا اس وقت حضرت میرزا غلام احمدؑ بالہامِ الٰہی اعلان کر رہے تھے:-

"بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد"

دنیا کو اسلام کی عظمتِ رفتہ کے حصول کا یقین دلا رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ مجھے خدا نے بتایا ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

آپ نے اپنے پیروؤں میں وہ "روحِ جہاد" پیدا کی جس کا اعتراف اقبال کو "ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا فرقہ" کہہ کر کرنا پڑا۔ اس روحِ جہاد کی ایک جھلک دوسری جگہ درج شدہ جناب نیاز فتحپوری کے مقالہ

بھی عیاں ہے۔

ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ علامہ اقبال نے اوپر کے شعر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ظلی نبوت پر "تلمیح" کی ہے۔ وہ جانتے بوجھتے تحریکِ احمدیت کے متعلق جسے وہ ٹھیٹھ اسلامی تحریک مانتے تھے ایسا غلط انداز اختیار نہ کر سکتے تھے۔ لیکن اگر فی الواقع انہوں نے ایسا کیا ہے تو قرآنی ارشاد کے مطابق ان کا بیان سراسر نادرست اور غلط ہے۔ کیا یہ ستم ظریفی کی انتہا نہیں ہے کہ وہ شخص جس نے ایک دن بھی اسلام کی خاطر دُکھ نہیں اٹھایا اور نہ ہی اس نے اپنے مزعومہ جہاد کے لحاظ سے ایک دن بھی کافروں سے نبرد آزمائی کی وہ محض شاعریت کے زور پر میرزا غلام احمد پر جس نے اسلام کے لئے جو کبھی لڑائی لڑی اور جو بقول ایڈیٹر "وکیل" امرتسر اسلام کا کامیاب جرنیل تھا آوازے کسے اور "تلمیح و کنایہ" میں اس کی ظلی نبوت کو "برگِ حشیش" قرار دے ع تفو بر تو اے چرخِ گردوں تفو۔ کتنا بودا اعتراض ہے جو جناب شورش علامہ اقبال کی طرف منسوب کر رہے ہیں اور کتنی بے حقیقت اور کھوکھلی وجہ ہے جسے اقبال کے اعتراض کی "بنیادی وجہ" قرار دیا جاتا ہے۔

(۷) "مولانا ظفر علی خان کا جنازہ"

انسان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ہمیشہ ڈرتا رہے۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ مکذبینِ انبیاء کو مہلت دیتا ہے تا وہ نبی اور اس کی جماعت کے مقابلہ میں پورا زور لگا لیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت نمائی فرماتا ہے اور دشمنوں کو ناکام کر دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ پر آنے والے لوگوں کی ایسی صدہا مثالیں موجود ہیں۔ ان مثالوں میں ایک نمایاں اور قریبی مثال مولوی ظفر علی خان آف زمیندار کی ہے۔ بیماری کے آخری ایام میں جب وہ کوہ مری میں تھے تو میں نے انکی عیادت کی تھی مجھے اس وقت مکرم ڈاکٹر غلام مصطفٰے صاحب احمدی اپنے ساتھ لے گئے جنہیں ہمارے امام ہمام ایدہ اللہ بنصرہ نے مولوی ظفر علی خان صاحب کے علاج کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ کیونکہ کوئی ان کے علاج کی طرف توجہ نہیں کر رہا تھا۔

ابھی ۲۵ر جون کو میں اور عزیزم مولوی غلام باری صاحب سیف وزیر آباد میں تھے اور تھوڑی دیر کے لئے کرم آباد گئے۔ اس نظارہ کے کچھ تاثرات سیف صاحب کے قلم سے الفرقان (اگست ۶۰ء) میں شائع ہو چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس منظر کو دیکھ کر اور مولانا ظفر علی خان کے پرانے شان و شوکت کے ایام کے تصور سے انسان کے سامنے اللہ تعالےٰ کی عظیم الشان قدرت مجسم طور پر آجاتی ہے۔ قارئین کرام! الفرقان (اگست) کے مضمون کے ساتھ جناب شورش کاشمیری مدیر "چٹان" کے ان الفاظ کو بھی ملا لیں :-

"مولانا ظفر علی خان کی اندوہناک
موت بھی ہم نے دیکھی ہے۔ جنازہ
میں ایک بیٹا، دو پوتے، تین نوکر اور
چار نیازمند تھے۔ کل دس آدمی۔"
(چٹان ۲۶ر ستمبر ۶۰ء)

پھر اس سب کے بعد آپ مولوی ظفر علی خان کا شعر پڑھیں ؎

نہ جا اس کے تحمل پہ کہ بے ڈھب ہے گرفت اسکی
ڈر اسکی دیرگیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا
(ارمغان حجاز)

(۸) حضرت زرتشتؑ کی نبوت

محترم صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان

نے پارسیوں کے ایک عظیم اجتماع میں جو حضرت زرتشتؑ کی ولادت کی تاریخ پر کراچی میں منعقد ہوا فرمایا کہ پارسی لوگ پاکستان میں مساوی ذمہ داریاں اور مساوی حقوق رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے حضرت زرتشت علیہ السلام کو باقی نبیوں کی طرح پوری عزت اور کامل احترام کا مستحق قرار دیا۔ (پاکستان ٹائمز لاہور۔ ۹ ار ستمبر سنہ ۶۰ء)

محترم صدر کا یہ بیان اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ پاکستان اسلامی جمہوریہ ہے اس میں سب باشندوں کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔ نیز قرآنی ارشاد ہے وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ کہ ہر امت میں نبی گذرے ہیں۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں توحید کے علمبردار نبی حضرت زرتشتؑ ہوئے ہیں۔ یہ درست ہے کہ بعد میں آنے والے لوگ بعض غلط تعلیمات اپنے پیشواؤں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جیسا کہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ ہوا۔ مگر حق یہی ہے کہ حضرت زرتشت اللہ تعالیٰ کی توحید کی منادی کرنے کے لئے اس خطۂ زمین میں مبعوث ہوئے تھے۔

(۹) سیالکوٹ سے ایک خبر

سیالکوٹ کی اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ قاضی علی محمدؐ صاحب نے بہائیوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے اور بہائیت کو ترک کر دیا ہے۔ ہمارے ایک دوست نے بہائی حلقوں سے اس کی توثیق چاہی تو انہوں نے کچھ خاموشی سی اختیار کی ہے۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ قاضی صاحب اب "تبلیغی جماعت" میں شامل ہو رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اگر قاضی صاحب نے بہائیت کو ترک کر دیا ہے تو وہ "گذارش" کے ورق پر ایک جواب گذارش بھی شائع کریں اور اگر وہ ہنوز بہائی ہیں تو اِس بارے میں بھی لوگوں کے شبہ کو دُور کر دیں۔

(۱۰) ختمِ نبوّت کا "نیا مفہوم"

مدیر الاعتصام لاہور لکھتے ہیں:-

"ختم نبوّت کے مسئلہ سے پرویز صاحب نے یہ تأثر دلایا کہ خدا نے اس زمانہ کے انسانوں کو جملہ پابندیوں سے حتّٰی کہ نبوّت و رسالت کی پابندیوں سے بھی آزاد کر دیا۔ ختمِ نبوّت کا یہ مفہوم ہمارے لئے بالکل نیا ہے کہ انسان نبوّت اور وحی کی تعلیمات سے بھی بے نیاز ہو جائے۔" (۳۰ ر ستمبر سنہ ۶۰ء)

اگر یہ بیان درست ہے اور اس میں پرویز صاحب کے نظریہ کو درست طور پر بیان کیا گیا ہے تو یہ بدیہی البطلان ہے۔ سچ یہ ہے کہ نبوّت و رسالت کی تعلیمات سے انسان کبھی مستغنی نہیں ہو سکتے۔ نبوّت کا کلام روحانی غذا ہے۔ جس طرح جسمانی غذا ضروری ہے اسی طرح ہر زمانہ میں روحانی غذا ضروری ہے۔

افسوس ہے کہ علماء نے نبوّت ناشناسی کے باعث ختمِ نبوّت کے مفہوم کو بھی مسخ کر دیا ہے حالانکہ اس کا واضح مفہوم تھا کہ نبوّت ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کمال تک پہنچ گئی اور اب آپؐ ہی کی قوتِ قدسیہ کا ظہور ہوتا رہے گا۔ اِسی کو ظلّی نبوّت کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ظلّی نبوّت ختمِ نبوّت کو ثابت کرتی ہے، اس کے منافی نہیں ہے ؞

آئینۂ یقین

(جناب چودھری عبد السلام صاحب اختر ایم۔اے)

جذبۂ دل خود بہ شکلِ مدّعا بھی آئے گا
غم نہ کر اک دن پیامِ جانفزا بھی آئے گا

مشکلوں کا ذکر کیا ہمت سے بڑھ کر کام لے
مشکلیں جب آئیں گی مشکلکشا بھی آئے گا

جب ترے دامن میں ہوگی دولتِ عرفان و ذوق
تیرے ہونٹوں پر کلامِ دل رُبا بھی آئے گا

گنج گلہائے یقیں سے خوشہ چینی کے لئے
آشنا بھی آئیگا۔ ناآشنا بھی آئے گا

برگِ گُل پر رقص کرنے کو صبا بھی آئے گی
تھامنے کو دامنِ موجِ ہوا بھی آئے گا

کشتیٔ دینِ محمدؐ کو ڈبو سکتا ہے کون
اِسکو طوفاں سے بچانے خود خدا بھی آئیگا

لغوی اغلاط و تحریفات

(از جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائل پور)

(۱) غیار

غیار ایک اصطلاحی عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں غیر مسلموں کے لباس کا امتیازی نشان - اور انگریزی لغت میں غیار کا ترجمہ ہے :-

MARK IN DRESS
DISTINGUISHING
NON-MUSLIMS

(فرالڈریہ صـ۵۴۱)

یہ کوئی اسلامی حکم یا ہدایت نہ تھی - بلکہ بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ایسا کیا گیا تھا - جس کی ذمہ داری اسلام پر کسی طرح نہیں عائد ہوتی -

میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب علم اللسان کے متعلق ایک کتاب موسومہ سٹوری آف لینگویج مطبوعہ سنہ ۱۹۵۲ء مصنفہ میریو - پی کے صفحہ ۲۶۲ پر مجھے یہ فقرہ نظر آیا :-

THE GUIAUR (INFIDEL
DOG) BESTOWED BY
MOSLEMS UPON ALL
NON-BELIEVERS IN
THE KORAN

یعنی غیار کے معنی ہیں "کافر کتا" اور یہ وہ لقب ہے جو مسلمانوں نے قرآن کے تمام نہ ماننے والوں کو عطا کیا ہے - لاحول ولا قوۃ - بعض نام نہاد مستشرقین کی جہالتیں قابلِ رحم حد تک پہنچ جاتی ہیں -

(۲) بُراق

فرالڈریٹو عربی سے انگریزی ایک لغت ہے - جو کا تھولک پریس بیروت میں چھپی ہے - لفظ "براق" کے متعلق لکھا ہے "ایک خیالی گھوڑا جو قرآن میں مذکور ہے" (صـ۳۵) حالانکہ قرآن شریف میں لفظ براق موجود ہی نہیں -

لغت کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے - اس لئے جب کوئی لغت نویس اس قسم کی غلطی کرے تو قابلِ معافی نہیں - یہ مثال ہے اس امر کی کہ بعض اوقات لغت نویس اپنے ذاتی رجحان اور عقیدے کو خواہ نخواہ لغت کے اندر داخل کر دیتا ہے -

(۳) قرن

لفظ قرن کے معنی سورج کی کرن اور سینگ ہیں - اور یہ لفظ عبرانی اور عربی میں مشترک ہے لیکن چوتھی صدی میں پوپ ڈماسس نے بائیبل کا ترجمہ ایک ماہر شخص جیروم نامی سے کرایا - جس نے لفظ قرن کا ترجمہ (خروج ۳۴ - ۲۹) میں کرن یا روشنی کی بجائے سینگ کر دیا -

کہ جب موسیٰ علیہ السلام سینا پہاڑ سے واپس آئے تو مکالمہ الٰہیہ کے نتیجہ میں ان کا چہرہ سینگ سے آراستہ ہو چکا تھا جس کی خبر موسیٰ علیہ السلام کو نہ تھی۔ پھر مصوروں نے طبع آزمائی کی اور موسیٰ علیہ السلام کی تصویر میں اُن کے سر پر دو سینگ دکھائے گئے۔ یہ جہالت در جہالت تھی جو بائیبل پڑھنے والوں کو ضخطہ میں ڈالتی رہی تا آنکہ قرن کے معنی سینگ کی بجائے کرن (یعنی روشنی اور نُور) استعمال کئے گئے (بحوالہ رسالہ ٹائم ہفت روزہ مؤرخہ

(۴) رسم ستی

میکس مُلر (۱۸۲۳ — ۱۸۹۰) جرمن ماہر لسانیات سنسکرت زبان کا بہت بڑا عالم، سب سے پُرانی وید یعنی رگ وید کا مترجم۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر تھا۔ اس کا قول ہے کہ کئی زمانہ ایک سو برہمنوں میں سے بمشکل ایک شخص رگوید کو "پڑھ" سکتا ہے۔ اور یہ کہ رسم ستی یعنی بیوگان کو نذرِ آتش کرنے کی رسم کا جواز ہندوستان کی ابتدائی تاریخ میں پایا نہیں جاتا۔ بلکہ ہُوا یہ کہ برہمنوں کی جہالت کی بدولت رگوید کے ایک شلوک میں ایک لفظی تحریف ہوئی۔

رگوید کی اصل عبارت یوں تھی:۔

A ROHANTU GANAYO

YONIM AGRE

جس کے معنی تھے۔ کہ "ماؤں کو پہلے قربان گاہ کی طرف جانا چاہیئے"

لیکن برہمنوں نے اس عبارت کو یوں بدل دیا:۔

A ROHANTU GANAYO

YONIM AGNEH

یعنی مائیں آگ کے رحم میں داخل ہوں (یونم بمعنی رحم ۔ اگنی بمعنی آگ)

اور بقول میکس مُلر اس ذرا سی تبدیلی کے نتیجہ میں کثیر جانیں آگ کے رحم میں داخل یعنی نذرِ آتش ہو گئیں۔

میکس مُلر بڑے جوش میں آ کر کہتا ہے کہ یہ ایک نہایت دلخراش مثال ہے اِس امر کی کہ پروہتوں کی بے باکی کیا کیا گُل کھلا سکتی ہے۔ نیز وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص رگوید کی اصل عبارت کا پتہ لگاتا تو برہمنوں کو لینے کے دینے پڑ جاتے اور اُن کے وقار کی دھجیاں بکھر جاتیں (سائنس آف لینگوئیج جلد اوّل صفحہ ۳۶-۳۷ ملخصاً)

لفظ قرن اور رسم ستی کے متعلق تحریف کا نتیجہ ظاہر ہے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف کی دائمی حفاظت کا وعدہ فرمایا ——— اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵:۱۰)
اور نیز فرمایا ——— وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ
(۴۱:۴۳)

قرآن مجید کے الفاظ بھی محفوظ ہیں اور اس کے معانی بھی محفوظ ہیں۔ جو حفاظت غیر معمولی حالات میں اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کی فرمائی ہے اس کو دیکھ کر انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ وعدہ اللہ تعالےٰ کا ہے اور واقعی یہ کتاب اس کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالےٰ نے عربی زبان کی بھی حفاظت فرمائی ہے اور اسے غیر معمولی اشاعت عطا فرمائی ہے +

منقولات

چراغِ سحر

"جس شخص کو متحدہ پنجاب میں خطیب الاُمّت۔ امیر شریعت، خطیب اعظم اور امیر احرار کہا جاتا تھا جس کی تقریروں پر لوگ جھوم اُٹھتے تھے۔ جو انہیں ہنسانا بھی جانتا تھا اور رُلانا بھی۔ جس کی آواز میں ایسا جادو تھا کہ لاکھوں کا مجمع مسحور و مبہوت بیٹھا رہتا تھا۔ اب پاکستان میں اپنے دن کس طرح کاٹ رہا ہے؟ یہ پاکستانی معاصر "کوہستان" کے سٹاف رپورٹر سے سُنیئے:۔

"وہ ملتان کے ایک چالیس روپیہ ماہوار کرایہ کے مکان میں رہتا ہے۔ اتنی گمنامی کی زندگی بسر کر رہا ہے کہ محلہ والوں سے پوچھئے کہ بخاری کہاں ہے؟ تو وہ سر ہلا دیں گے۔ جوں جوں وہ زندگی کا سفر طے کر رہا ہے سارے رشتے آہستہ آہستہ ختم ہو رہے ہیں۔ بخاری اب زندگی کے اُفق کی ایک شفق ہے جسے نہ جانے کب موت کی سیاہی پاٹ جائے۔ زندگی اس کا ساتھ چھوڑنے کو ہے۔ ذیابیطس کا مرض ہے۔ بڑھاپے نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔ حتیٰ کہ قوتِ گویائی بھی عمر پا گئی ہے۔ اور اب وہ نظر کی کمزوری کی وجہ سے کسی کو نہیں پہچانتا اور احباب اسے قصۂ پارینہ سمجھ کر فراموش کر چکے ہیں۔ میں نے ان سے ان کی صحت کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے کہ ذیابیطس کے ساتھ فالج کی بھی شکایت ہے ؎

چراغِ سحر ہوں، بجھا چاہتا ہوں

اس کے بعد سر پکڑ کر بیٹھ رہے۔ میں نے بات کرنا چاہی تو کہنے لگے۔ دعا کرو قبر کے لئے زمین نصیب ہو جائے۔ رہنے کے لئے گھر تو نہیں ملا"

اس کے بعد معاصر کا نامہ نگار لکھتا ہے:۔

"ایک زمانہ تھا کہ شاہ صاحب کے گرد ہر وقت عقیدتمندوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ اب زورِ بیان ختم ہو گیا تو سب ساون کے بادلوں کی طرح چھٹ گئے ہیں۔ کچھ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اور جو باقی رہ گئے وہ زمانہ کے تقاضوں کے ساتھ ہو لئے۔ اب بڑھاپے کا یارا رہ گیا ہے اور وہ بھی نہ جانے کب ٹوٹ جائے"

کیسا حسرت ناک انجام ہے یہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا؟"

(روزنامہ "پرتاپ" جالندھر ۱۰ ستمبر ۱۹۶۰ء)

بیمار پرسی

(از جناب ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب۔ کوئٹہ)

ایسا کونسا گھر ہے جس میں کبھی کوئی بیمار نہیں ہوتا بلکہ ایسا کون شخص ہے جو کبھی بیمار نہیں ہوتا۔ ہر شخص کو بیماری کا تجربہ ہے کہ تکلیف اور درد کے علاوہ بعض وقت موت کا خطرہ سر پر سوار ہوتا ہے۔ مرض کے دوران میں انسان اپنے [illegible] دوا کرنے اور روزی پیدا کرنے سے محروم ہو جاتا [illegible] اسی طرح [illegible] محتاج ہو جاتا ہے بلکہ وہ تمام افراد محتاج ہو جاتے ہیں جن کا بحالت صحت وہ کفیل تھا۔ ایسی حالت میں مریض کے ساتھ ہمدردی اور اس کی مدد نہایت ضروری ہوتی ہے۔

بیمار پرسی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیمار پرس مریض کی ہمدردی اور مدد کا ارادہ اپنے دل میں رکھ کر بیمار کے پاس جاتا ہے۔ بے شک یہ مدد حسب استطاعت بجا ہو سکتی ہے۔

جب مریض دیکھے گا کہ میرے عزیز اور دوست کس طرح میری ہمدردی کر رہے ہیں اور ہر طرح کی مدد کرتے ہیں تو اس کی نصف بیماری بغیر دوا و علاج کے ہی رفع ہو جائیگی۔ اور اس کے دل کو ایک سکون اور اطمینان حاصل ہوگا۔

لیکن ہمارے ملک میں بیمار پرسی کے بہت سے غلط طریقے رائج ہیں۔ صبح سے شام تک بہت سے بیمار پرس آتے ہیں اور ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ بیمار کے پاس جائے اور خود اس سے بات کرے۔ بعض دفعہ کئی اشخاص اکٹھے آجاتے ہیں اور مریض کے ساتھ ہی نہیں بلکہ آپس میں خوب زور زور کے ساتھ باتیں کرتے ہیں اور بہت دیر تک بیٹھتے ہیں۔ اس سے مریض کو تو جو تکلیف ہوتی ہے وہ تو ہوتی ہی ہے گھر والے خود پریشان ہو جاتے ہیں۔ عورتیں ہر وقت پردہ کرتی ہیں اور مریض کے پاس جا کر خدمت نہیں کر سکتیں۔ مریض کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے نیز اس کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ خوراک اور دوائی کا دینا، پاخانہ پیشاب سب رُکا رہتا ہے لیکن بیمار پرس صاحبان جم کر ایسے بیٹھتے ہیں کہ اُٹھنے کا نام نہیں لیتے۔ ہر ایک یہی پوچھتا ہے۔ کیا بیماری ہے، کس کا علاج ہے، کیا دوائی دے رہے ہیں، پرہیز کیا ہے؟ پھر اپنے مشورے۔ ایک کہتا ہے۔ یہ ڈاکٹر تو بالکل نکما ہے، یہ دوائی تو گرم خشک ہے، یہ خوراک جو ڈاکٹر نے بتائی ہے بخار پیدا کرے گی۔ پھر اپنی تجویزیں پیش کرتے ہیں۔ ایک کہتا ہے یہ دوائی اچھی ہے۔ دوسرا کوئی انجکشن بتا دیگا۔ تیسرا کوئی فضول سی چیز خوراک کے لئے بتا دے گا۔ ان سب باتوں سے مریض کو فائدہ تو کیا ہوتا ہے الٹا نقصان ہوگا۔ بے اطمینانی بڑھے گی، دماغی کوفت زیادہ ہوگی۔ اور بجائے صحت کی طرف جانے کے وہ نیچے کی طرف جائے گا۔ بعض بیمار پرس ظاہرہ ہمدردی جتانے کے واسطے کہتے ہیں۔ ہائے تمہاری حالت کیسی خراب ہوگئی ہے، کتنے کمزور ہوگئے ہو، بیماری بڑی سخت ہے میرا ایک عزیز اسی بیماری سے فوت ہوگیا۔ یہ اپریشن جو تمہارا ہونے کو ہے اس میں کم ہی بچتے ہیں، اکثر مر جاتے ہیں۔ اس طرح بیمار کو تسلی دینے کی بجائے موت کی طرف

دھکیل دیتے ہیں۔ ایسی باتیں عورتیں خاصکر کرتی ہیں۔

بعض جگہ یہ رواج ہے کہ بیمار پرسی کے لئے دُور سے سفر کر کے لوگ اہل و عیال سمیت آجاتے ہیں۔ غریب مریض کا گھر چھوٹا ہوتا ہے، اس کے اپنے کنبہ کی رہائش کے واسطے کافی نہیں ہوتا، اتنے بن بلائے مہمانوں کو کہاں رکھا جائے۔ بیمار اور اس کی بیوی بچے خود مدد کے محتاج ہوتے ہیں لیکن بیمار پرس بے بلائے مہمان صاحب اپنی شیر چائے، پلاؤ اور نرم بستروں کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اور اپنی پُر تکلف مہمانی پر اصرار کرتے ہیں۔ گھر میں خواہ فاقہ ہی مرتے ہوں لیکن مکھن، بالائی اور اصلی گھی کے عادی ظاہر کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب بیمار اپنی بیماری اور ان کی بیمار پرسی کی تاب نہ لا کر راہی ملکِ عدم ہو جاتا ہے اور بیمار پرس صاحبان سوم تک حلوے اُڑاتے ہیں اور اس طرح پسماندگان کو غربت، افلاس اور بعض وقت اپنے زیور و کپڑے اور مکان تک فروخت کرنے کا راستہ دکھا کر تشریف لے جاتے ہیں۔

انہی بیمار پرسوں میں بعض وراثت کے حقدار ہوتے ہیں۔ جو بظاہر تو نہایت ہمدرد بنے ہوتے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو گرانے لگ جاتے ہیں لیکن دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ یہ جلدی کیوں نہیں مرتا۔ اگر میرے سامنے مرے تو خوب اچھا ہو۔ دوسرے گدھوں سے میں زیادہ بوٹیاں نوچ کر لے جاؤں۔

ایک ایسا واقعہ بھی آپ کو سناتا ہوں غالباً ۱۹۱۹ء کے شروع میں میں ایک ہسپتال میں ملازم تھا۔ مجھے رات کے وقت ایک مریض کو دیکھنے کے واسطے بلایا گیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ بیمار ایک چبوترے پر چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ چبوترے کے گرد صحن خوب فراخ تھا۔ اور لوگوں سے پُر تھا۔ جو غالباً مریض کے عزیز اور دوست تھے۔ مریض ہندو تھا اور اس وقت بعض لوگ اصرار کر رہے تھے کہ مریض مر رہا ہے اس کو چارپائی سے نیچے اتار دو۔ ان میں سے بعض کے دل میں واقعی ہمدردی ہوگی اور اس کی اس حالت پر دل میں رنج محسوس کرتے ہوں گے۔ لیکن اس کو چارپائی سے نیچے اتارنے والے یقیناً اس کی موت کے خواہشمند تھے۔ ہندوؤں میں یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص چارپائی پر مر جائے وہ نرک یعنی دوزخ میں جاتا ہے اس لئے وہ مرنے کے وقت مریض کو چارپائی سے نیچے اتار دیتے ہیں۔ خیر میں نے مریض کی نبض دیکھی نبض بالکل درست چل رہی تھی۔ میں نے اپنا منہ اس کے کان کے نزدیک کر کے پوچھا کہ تمہارا حال کیسا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں لیکن یہ سب عزیز کہہ رہے ہیں کہ تو مر رہا ہے اس سے مجھے سخت پریشانی ہو رہی ہے میں اس وقت ملٹری ہسپتال میں ملازم تھا۔ طبیعت بھی ذرا سخت تھی۔ ایک ڈنڈا مریض کی چارپائی کے قریب پڑا تھا میں نے ہاتھ میں اٹھایا اور سب لوگوں کو وہاں سے بھگا دیا۔ لوگوں کے جانے کے بعد مریض چارپائی پر بیٹھ گیا اور پھر نیچے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا کہ جی میں تو بالکل اچھا ہوں۔

اسی طرح ایک واقعہ اور لکھتا ہوں۔ ایک مریض کبھی کبھی دمہ کے دَورہ میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ وہ اسی مرض کے دَورہ میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے ایک رشتہ دار جو دُور کسی شہر میں رہتے تھے۔ وہ اس کی بیمار پرسی کے واسطے آگئے۔ مریض ایک غریب شخص تھا لیکن بیوی کے پاس کچھ قیمتی زیور تھا۔ مریض کے سر پر اپنے خرچ کے علاوہ مہمانوں کا خرچ بھی آپڑا۔ وہ بیماری اور مہمانوں کے اخراجات برداشت نہ کر سکا فوت ہو گیا۔ بیوی جو تیمارداری سے تھکی ہوئی تھی اور کچھ بیمار بھی رہتی تھی وہ بھی چند روز کے بعد فوت ہو گئی۔ اب سب کچھ بیمار پرس کے ہاتھ میں تھا۔ گھر کا صفایا کر کے چل دیا۔ یہ بھی ایک بیمار پرسی ہے جس کے لئے خاص کر عزیز بیمار پرس بن کر آتے ہیں۔

اب ہم بیمار پرسی کا طریقہ لکھتے ہیں۔ حقیقی بیمار پرسی کرنے والا مریض کے ساتھ ہمدردی کرتا اور اس کی مدد کرتا ہے۔ اگر مریض ہسپتال میں ہے وہاں مریض کو دیکھنے کے لئے خواہ اس کا کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو خاص اوقات مقرر ہیں۔ ان سے آگے پیچھے جانے والے کو اجازت ہی نہیں ملتی۔ پھر مریض کو دیکھنا اور اس سے بات کرنا مریض کی حالت پر منحصر ہوتا ہے۔

گھر پر بھی اگر یہ انتظام ہو تو بڑی اچھی بات ہے مریض کو دیکھنے کے لئے ایسا وقت مقرر ہو جو بیمار اور گھر والوں کی حاجات کا وقت نہ ہو۔ جب بھی کوئی بیمار پرسی آئے اوّل تو گھر والوں سے اجازت لے اور بیمار کا حال دریافت کرے۔ اگر بیمار سے بات کرنا چاہتا ہے تو گھر والے اگر بیمار سخت تکلیف میں نہیں اور ہوش میں ہے بیمار سے اجازت لیں۔ اس کے بعد وہ شخص اندر گئے اور بیمار سے آہستہ اور نرمی کے ساتھ جو پوچھنا ہے پوچھ لے۔ لمبے سوالات اور ایسے سوالات جن کے جوابات لمبے ہوں نہ کرے۔ بیمار کو تسلی دے اور اس کی دلجوئی کرے۔ بیمار کے سامنے ایسی بات نہ کرے جس سے بیمار کو رنج یا صدمہ پہنچے۔ بیماری، معالج اور دوائی پر بحث نہ کرے۔ نہ ہی اپنی طرف سے کوئی مشورہ یا تجویز پیش کرے۔ اگر کوئی ایسی بات کہنی ہو تو بیمار سے علیحدہ ہو کر گھر والوں کو کہہ سکتا ہے لیکن دوائی یا علاج پر کوئی اعتراض نہ کرے۔ اگر کوئی مدد دے سکتا ہے تو پیش کر دے ورنہ خاموشی سے واپس چلا آئے۔ اگر بیمار کی حالت اچھی نہیں یا وہ نیند میں ہے یا طبیب نے کسی سے بات کرنے سے منع کیا ہے یا قضائے حاجات وغیرہ میں مشغول ہے تو گھر والے عذر کر دیں اور بیمار پرس بغیر بُرا مانے واپس چلا جائے۔ بیمار پرسوں کا تانتا بندھا ہوا نہ ہو کہ ایک گیا اور دوسرا آیا۔ بیمار کا آرام مقدم ہے۔

مدد یہ بیمار، بیماری اور بیمار کے مالی حالات اور بیمار کے گھر کے افراد پر منحصر ہے۔ اگر بیماری سخت ہے یا لمبی ہے۔ گھر پر دوا دارو اور تیمار داری مناسب طریقہ پر نہیں ہو سکتی تو ایسی حالت میں مریض کو ہسپتال میں داخل کر دینا بہتر ہے بشرطیکہ ہسپتال نزدیک ہو اور بیمار کو وہاں تک لے جانا ممکن ہو۔ بعض وقت ہسپتال میں علاج کرانے پر کافی اخراجات آتے ہیں۔ اگر تو بیمار کی مالی حالت ان اخراجات کو برداشت کر سکتی ہے تو فبہا ورنہ عزیز اور دوست مشورہ کر کے حسب استطاعت مدد فراہم کر دیں اور ہسپتال میں باقی مدہ علاج کرائیں۔ اگر ہسپتال میں داخل کرانا ممکن نہ ہو تو گھر پر ہی علاج کریں۔ یہاں بھی عزیزوں اور دوستوں کو سب سے پہلے اس کی مالی حالت دیکھنی چاہیئے۔ اگر ڈاکٹر کی فیس، دوائی و خوراک کا خرچ اور گھر کے اخراجات کی بیمار میں برداشت نہیں تو اسی طرح مالی مدد دیں۔

پھر بیمار کے گھر میں اکثر ایک بیوی اور دو ایک بچے ہونے میں۔ بیمار کو ہر وقت تیمار داری کی ضرورت ہے اکیلی بیوی غریب کے لئے یہ سب کچھ کرنا ناممکن ہوتا ہے اس طرح دن رات کام میں لگے رہنے اور تفکرات سے وہ خود بیمار ہو جاتی ہے۔ دوا دارو اور سودا لانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اس کے لئے عزیزوں اور دوستوں میں سے چند افراد خود کو پیش کریں۔ چار چار گھنٹے کی تیمار داری باری باری اپنے ذمہ لیں۔ اسی طرح عزیزوں میں سے دو ایک عورتیں بیمار کی بیوی کی مدد کریں۔ گھر کے کام کاج اور بیمار کی خوراک تیار کرنے میں مدد دیں۔ ایک دو عزیز دوست بیمار کی دوا دارو لاتے اور گھر کا سودا سلف لانے کے واسطے خود کو پیش کریں۔ اور اس طرح سے

گھر والوں کو مدد دیں۔

بیمار پرسی، بیمار کی ہمدردی اور مدد کا یہ صحیح طریقہ ہے جو ہم کو اختیار کرنا چاہیئے۔

جب بیمار اچھا ہوگا اس کو یہ معلوم ہوگا کہ میرے عزیزوں اور دوستوں نے اس طرح میری مدد کی کتنی خوشی ہوگی اور وہ خود بھی وقت پڑے ان کے لیے ہر طرح کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہوگا۔

مہذب اقوام میں یہ طریقہ ہے کہ بیمار کی حالت ایک تختی پر لکھ کر باہر رکھ دیتے ہیں۔ دریافت کرنے والے اس سے بیمار کی حالت معلوم کر لیتے ہیں، ساتھ ہی ایک کتاب اور پنسل رکھی ہوتی ہے، بیمار پرس اس میں اپنا نام اور پتہ لکھ دیتے ہیں۔ جب بیمار اچھا ہوتا ہے تو وہ دیکھ لیتا ہے کہ کون کون اشخاص بیمار پرسی کے لیے آئے۔ جہاں یہ ممکن نہ ہو ایک شخص ایسی جگہ بیٹھ جائے جہاں بیمار پرسوں کا آنا آسان ہو اور وہ ان کو بیمار کی حالت بتا دیا کرے۔ جب بیمار کی حالت اچھی ہو اس کو بتا دے کہ فلاں فلاں اشخاص بیمار پرسی کے لئے آئے تھے۔ اس طرح بیمار کو بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کون کون آیا۔ اور بیمار پرسوں کو بھی بیمار کی حالت معلوم ہو جاتی ہے۔

امید ہے ہمارے دوست اور بہنیں بیمار پرسی کا یہ طریقہ اختیار کریں گے۔ اللہ تعالے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے ÷

※ تشریح :- بیماروں کو دیکھ کر انسان کو صحت کی قدر معلوم ہوتی ہے اور میت کو دیکھنے سے انسان کو زندگی کی قیمت کا اندازہ ہوتا ہے ÷

عیادت کے متعلق

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ۔۔۔ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَوْ كُنْتَ عُدْتَهٗ لَوَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِیْ اَوْ وَجَدْتَنِیْ عِنْدَهٗ۔

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالے انسان سے کہیگا کہ اے آدمزاد! میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہ کی۔ انسان کہے گا خداوند! میں تیری کس طرح عیادت کرتا تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھے پتہ نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو آج میری طرف سے اس کا ثواب تجھے ملتا۔ یا تو اس بیمار کے پاس مجھے پاتا۔

تشریح :- عیادت کی اہمیت اور اس کے ثواب کو بیان کرنے کے لئے یہ استعارہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُوْدُوْا الْمَرِيْضَ وَاتَّبِعُوْا الْجَنَائِزَ تُذَكِّرُكُمُ الْاٰخِرَةَ۔

ترجمہ:- حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیمار کی عیادت کرو اور جنازوں کے ساتھ جایا کرو۔ یہ بات تمہیں آخرت کی یاد دلائے گی۔ ※

بہائیت کی تعلیمات اور عیسائیت

(از جناب مولوی محمد اجمل صاحب شاہد مربی سلسلہ احمدیہ)

(۱)

بابی اور بہائی فرقہ کی تعلیمات کا سرسری مطالعہ بھی اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے کہ ان کے بانی سید علی محمد باب اور مرزا حسین علی صاحب بہاء اللہ نے اپنے احکام اور دعاوی کا اکثر و بیشتر حصہ عیسائیت سے مستعار لیا ہے۔ اگر کسی حد تک بہائیوں کو عیسائی ممالک میں کامیابی ہوئی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کو نہ تو اپنے نظریات سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اور نہ ہی کوئی غیر معمولی نیا نظریہ ماننا پڑتا ہے بلکہ کسی حد تک صرف سوسائٹی کی تبدیلی ہے۔ جس رنگ میں عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق مظہر اللہ، کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں بالکل یہی الفاظ کثرت کے ساتھ بہائی بہاء اللہ کے متعلق استعمال کرتے ہیں اور ان کی تاویل بھی اسی رنگ میں کرتے ہیں۔ گویا اس طرح مغالطہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مسیح کی آمدِ ثانی کا ظہور بہاء اللہ کے وجود میں پورا ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کا اقرار خود بہائیوں نے بھی واشگاف الفاظ میں کیا ہے۔ خود عبد البہاء صاحب جو کہ بہاء اللہ کے صاحبزادے تھے اور جن کو "مرکزِ میثاق" اور "غصنِ اعظم" کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا:-

"واضح ہو کہ مسیحیت کے اصول اور حضرت بہاء اللہ کے احکام بالکل ایک سے ہیں اور ان کے طریقے بھی ایک سے ہیں۔"

(بہاء اللہ و عصرِ جدید صفحہ ۱۴۳ مطبوعہ بار سوم)

(۲)

حضرت مسیح علیہ السلام کے اقنوم ثانی اور مظہر اللہ ہونے کا عقیدہ بہائی بالکل صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ عیسائیوں کے اس نظریہ کے باعث ان کو بہاء اللہ کے خدا ماننے کا جواز ملتا ہے۔ اگرچہ بہائی بظاہر عوام کو اندھیرے میں رکھنے کے لئے اپنے اس عقیدہ کو کھل کر پیش نہیں کرتے۔ بلکہ اس کی تاویل اس رنگ میں کرتے ہیں کہ ایک رنگ میں تمام انبیاء ہی مظہر اللہ ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء دنیا میں خدا تعالیٰ کی صفات کے حامل ہو کر آتے ہیں مگر عیسائیوں کی طرح کوئی بھی مسلمان یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ نعوذ باللہ وہ خود خدا یا حقیقی معنوں میں مظہر اللہ ہوتے ہیں۔ مگر بہائی اپنے مزعومہ عقیدہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے عیسائیوں کے مشرکانہ عقیدہ کی تائید کرتے ہیں اور بہاء اللہ کے متعلق یہ مانتے ہیں کہ اس کا ظہور مسیح سے بھی اکمل و برتر صورت میں ہوا ہے۔ چنانچہ صاحب عصرِ جدید تحریر کرتے ہیں:-

"آخری ایام میں خدا کی آمد ایک ایسا روحانی واقعہ ہے جس کی بابت تمام انبیاء نے پیشگوئیاں کی ہیں...... حضرت عیسیٰ ایک وسیلہ تھے اور عیسائیوں نے

آپ کے ظہور کو خدا کی آمد یقین کرنے میں **بالکل صحیح** رویہ اختیار کیا۔ آپ کے چہرہ میں انہوں نے خدا کے چہرہ کو دیکھا اور آپ کے لبوں سے انہوں نے خدا کی آواز کو سنا حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں کہ رب الافواج ابدی باپ۔ دنیا کے بنانے اور بچانے والے کی آمد جو تمام انبیاء کے بیانات کے مطابق آخری ایام میں واقع ہونے والی ہے۔ <u>اس سے سوائے اس کے کچھ مراد نہیں کہ خدا انسانی شکل میں منصۂ شہود پر</u> ظاہر ہوگا جس طرح اس نے اپنے آپ کو یسوع ناصری کی ہیکل (جسم) کے ذریعے ظاہر کیا تھا اب وہ اس سے مکمل تر اور روشن تر ظہور کے ساتھ آیا جس کے لئے یسوع اور پہلے تمام انبیاء لوگوں کے قلوب کو تیار کرتے آئے تھے۔"

(عصر جدید صلا۲۲)

(۳)

عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو انسانی اور خدائی دونوں صفات کا حامل مانتے ہیں۔ چنانچہ پادری برکت اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"انسان کامل اور مظہر جامع صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ کامل خدا اور کامل انسان ہو۔ صفات قدیمۂ الٰہیہ اور صفات ممکنۂ انسانیہ کے ساتھ متصف ہو۔" (مسیحیت کی عالمگیری ص۱۲۹)

چنانچہ اناجیل کے متعلق بھی مسیحی یہ مانتے ہیں کہ کسی جگہ پر مسیح بحیثیت انسان ہونے کے اور کسی جگہ پر بحیثیت ابن اللہ ہونے کے مخاطب ہے۔ بالکل اسی طرح بہائی بھی جناب بہاء اللہ کے متعلق یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا کلام انسانی اور خدائی کلام کا مجموعہ ہے:۔

"آپ کے کلمات دوسرے مظاہر الٰہی کے کلمات کی طرح دو قسموں [illegible] تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ ایک [illegible] آپ ایک ایسے انسان کی طرح کلام فرماتے ہیں جو خدا کی طرف سے اپنی نوع انسان کو پیغام دینے کے لئے آیا ہے۔ دوسرے وہ کلمات جن سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ خدا خود بول رہا ہے...... حضرت بہاء اللہ کی کتابوں میں یہ کلام دفعتاً ایک مقام سے دوسرے مقام میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ابھی تو ایک انسان کلام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور ابھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا خود کلام کر رہا ہے۔ مقام بشریت سے کلام فرماتے ہوئے بہاء اللہ اس طرح کلام فرماتے ہیں جس طرح خدا کا فرستادہ کلام کرتا ہے۔ اور لوگوں کو رضائے الٰہی کے سامنے کامل تسلیم کا زندہ نمونہ بن کر دکھاتا ہے۔ آپ کی تمام زندگی روح القدس سے معمور تھی۔ اسلئے آپ کی زندگی اور تعلیمات میں بشری و الٰہی عناصر کے درمیان کوئی صاف خط نہیں کھینچا جا سکتا۔" (عصر جدید ص۸۰-۸۱)

غرض جس طرح عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام میں ناسوتی اور لاہوتی صفات کو مانتے ہیں اسی طرح بہائی جناب بہاء اللہ میں بھی ان دونوں کو بیک وقت مانتے ہیں اور پھر عیسائیوں کی طرح ان کے ہر قول کو خدا تعالیٰ کا کلام سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک لفظی وحی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اور دوسرے انبیاء پر نازل ہوتی تھی۔ وہ ختم ہو چکی ہے اور بہاء اللہ کا تمام کلام بمنزلہ وحی کے ہے یہ دونو نظریے عیسائیوں کے نقطۂ خیال کی پوری تقلید ہے۔

(۴)

بہائی اپنی عبادت کے لئے جناب بہاء اللہ صاحب کی قبر کو اپنا قبلہ اور پھر ان کا ہی تصور ضروری سمجھتے ہیں۔ اور یہ لازمی بات ہے کہ جب بہاء اللہ صاحب اپنی شان الوہیت کا اعلان اس رنگ میں کرتے ہیں جس رنگ میں عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں تو اسکے نتیجہ کے طور پر عبادت میں توافق بھی نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ جس طرح عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کی بظاہر یہی تاویل کرتے ہیں کہ وہ آپ کی اس شان الوہیت کی عبادت کرتے ہیں جو آپ کے وجود سے ظاہر تھی۔ بہائی اسی رنگ میں جناب بہاء اللہ صاحب اور ان کی قبر کی عبادت کے لئے یہی جواز پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ عبدالبہاء صاحب اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"اگر کوئی خدا کو جاننا چاہتا ہے تو وہ اس کے مکمل آئینے مثل حضرت بہاء اللہ اور حضرت مسیح میں دیکھے۔ ان آئینوں میں ہی وہ آفتاب الوہیت کو پرتو فگن دیکھ سکتا ہے۔"

(عصر جدید ص۱۴۷)

اس سے یہ بھی صاف طور پر مترشح ہوتا ہے۔ کہ عبدالبہاء صاحب عیسائیوں کا حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرنا بالکل صحیح سمجھتے ہیں اور اس قسم کی عبادت کی تلقین وہ بہائیوں کو کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں :-

"روشنی کا ایک مرکز ہے۔ اگر کوئی شخص اُسے مرکز کی بجائے کسی اور جگہ تلاش کرتا ہے۔ تو وہ اُسے کبھی نہیں پا سکتا .... ذرا مسیح کے زمانہ کا خیال کریں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ بغیر مسیحائی فیوض کے وہ حقیقت کو پا سکتے ہیں۔ مگر ان کا یہ گمان ہی ان کی محرومیت کا باعث ہوا۔"

(عبدالبہاء کی انگریزی الواح جلد ۳ ص۵۹۲)

الغرض بہاء اللہ کی الوہیت و ربوبیت۔ وحی۔ اور اس کی عبادت وغیرہ میں بہائی اور مسیحی بالکل برابر ہیں۔ اور اس معاملہ میں بہائیوں نے عیسائیوں کی پوری نقل کی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ عیسائی علی الاعلان اور جرأت کے ساتھ حضرت مسیح کی الوہیت کا اقرار کرتے ہیں مگر بہائی چونکہ اصلاً شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ تقیہ کے اصول سے کام لیتے ہوئے بہاء اللہ کی الوہیت کا واشگاف الفاظ میں اقرار کرنے سے ہچکچاتے ہیں گویا وہ ایک طرف تو بہاء اللہ کو اس کے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے حضرت مسیح سے زیادہ اکمل و برتر سمجھتے ہیں اور دوسری طرف اسے عامۃ الناس میں حقیقی رنگ میں پیش کرنے سے گھبراتے ہیں ؎

صاف چھپتے بھی نہیں اور سامنے آتے بھی نہیں

(۵)

جناب بہاء اللہ کے دعاوی کے متعلق یہ ثابت کرنے کے بعد کہ وہ بالکل عیسائیوں کے عقائد کا مثنیٰ ہیں اب ہم ان کی نازل کردہ الواح اور تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو ان کے مطالعہ سے یہ چیز نہایت واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے موجودہ عیسائی ممالک کی مروجہ تہذیب و تمدن اور مادی رجحانات کی تائید کی ہے اور اس طرح مادیت کے اس دیو استبداد پر مذہبیت کا لبادہ ڈالنے کی کوشش کی ہے اور اس کو اپنانے کیلئے "روحانی" وجہ جواز نکالی ہے۔ گویا بہاء اللہ صاحب موجودہ مغربی اور عیسائی تہذیب کو بدلنے یا موڑنے کی بجائے اسکے ساتھ ساتھ ہی چلنا پسند کرتے ہیں تاکہ اس طور پر ٹکراؤ

کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خداتعالیٰ کے انبیاء اور ماموریں ہمیشہ ایسی تعلیم لیکر آتے ہیں جو اہلِ زمانہ کے عام رجحانات اور خیالات کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ۔

(بقرہ ع ۱۱)

یعنی جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول اس تعلیم کو لے کر آیا جسے تمہارے نفس پسند نہیں کرتے تھے تو تم نے تکبر کا مظاہرہ کیا۔

غرض خداتعالیٰ کے مرسلین کا کام ان رائج الوقت خیالات اور اعمال کے خلاف جہاد کا اعلان ہوتا ہے اور ان کو مادی اور شیطانی چنگل سے نکال کر روحانی دارالامن میں لانا ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے شیطانی قومیں ان کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کر دیتی ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ (سورہ حج ع ۷)

یعنی ہم نے کوئی رسول اور نبی تجھ سے پہلے نہیں بھیجا مگر جب بھی وہ اصلاحِ خلق کے کام کا بیڑا اٹھانے کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان اس کے اس ارادہ میں روکیں ڈالنی شروع کر دیتا ہے۔

اس نقطۂ نظر سے اگر بہائی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ جناب بہاء اللہ اور عبدالبہاء نے محض رائج الوقت مغربی تہذیب پر مہرِ توثیق ثبت کی ہے۔ انہوں نے اسلامی اور قرآنی تعلیم پر خطِ منسیخ صرف اسلئے پھیرا ہے تاکہ ان برائے نام مسلمانوں کے اس طبقہ کی ہمدردی کو بھی حاصل کیا جائے جو مغربی خیالات سے متاثر ہو کر اسلام سے برگشتہ ہو رہا ہے اور مادیت کی اس رَو میں بہہ رہا ہے۔ اور پھر مغرب کا دلآویز نام قائم رکھنے کے لئے بہاء اللہ اور ان کے بعد عبدالبہاء نے ایسی تعلیم اپنی ذہنی ٹکسال سے گھڑنے کی کوشش کی ہے جو کہ موجودہ مغربی تہذیب کا مشن ہے تاکہ عیسائی ممالک میں اور اپنے مذہب سے برگشتہ [illegible] لوں میں خاص طور پر اس کی قبولیت کی راہ نکل سکے۔

یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ کوئی آدمی اپنے پہلے مذہب پر قائم رہ کر بھی بہائی بن سکتا ہے اور پھر اسمیں اس قدر وسعت پیدا کر دی ہے کہ وہ آدمی بھی بہائی بن سکتا ہے جس نے کبھی بہاء اللہ کا نام تک بھی نہ سُنا ہو۔ (عصر جدید عربی ص[illegible]) چنانچہ مشہور امریکن مستشرق مسٹر ولیم۔ ایم ملر نے "مسلم ورلڈ" ماہ اکتوبر سنہ [illegible] میں ایک مضمون "موجودہ بہائیت" کے عنوان سے تحریر کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں :-

"بہائیت کے مقاصد وہی ہیں جو عیسائیت کے ہیں یعنی یہ کہ خدا کی مرضی زمین پر قائم کی جائے۔ اگر کلیسا اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو یہ بہائیت کے لئے عین خوشی کا موجب ہے۔ بہائی بننے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کوئی شخص اپنے تئیں کسی کلیسا سے علیحدہ کرے۔ ایک عورت کو جس نے پوچھا تھا کہ ایک اچھی بہائی بننے کے لئے

مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ عبد البہاء نے جواب دیا "اپنے کلیسا میں کام کرو اور حتی المقدور ایک اچھی عیسائی عورت بن جاؤ۔ اس طرح تم ایک اچھی بہائی بن جاؤ گی"

اسی طرح عبد البہاء مفاوضات میں فرماتے ہیں :-

"اذا کنت فی جمعیۃ او هیئۃ فلم تفارق اخوانک فانک یمکنک ان تکون بہائیاً مسیحیاً و بہائیاً ماسونیاً و بہائیاً یہودیاً و بہائیاً مسلماً" (مفاوضات عبد البہاء ص۔۔)

یعنی تو جس جمعیت یا انجمن میں ہو تجھے بہائی ہونے کی وجہ سے اس سے علیحدہ ہونیکی ضرورت نہیں۔ کیونکہ تو عیسائی، ہندو، یہودی اور مسلم رہتے ہوئے بھی بہائی بن سکتا ہے۔

یہی وہ "اتحاد مذاہب" کا نعرہ ہے جس کا پرچار بہائی کرتے ہیں۔ اگرچہ عبد البہاء کے بعد بہائیوں کے قائد شوقی افندی نے اپنی علیحدہ جمعیت کا اعلان کر دیا تھا۔ چنانچہ حال ہی میں پاکستان میں بھی بہائیوں نے اپنی علیحدہ غیر مسلم اقلیت کا اعلان کر دیا ہے۔ مگر اس سے اہل نظر پہ بہائیوں کے اتحادِ مذاہب کے پروپیگنڈہ کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بہائی مقتضیات زمانہ کے ساتھ ساتھ تغیر کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کی حالت بالکل مرغ بادنما کی سی ہے جو کہ ہوائی جھونکوں کے ساتھ اپنا رُخ بدلتا رہتا ہے چنانچہ بہاء اللہ خود فرماتے ہیں :-

"آپ کو معلوم ہو کہ ہر ایک زمانے میں مقتضیات زمانہ کے مطابق تمام آسمانی احکام متغیر و متبدل ہو جاتے ہیں سوائے قانونِ محبت کے جو ایک چشمہ کی طرح ہمیشہ جاری رہتا ہے اور کبھی متغیر نہیں ہوتا"

(عصر جدید ص۲۶۶)

چنانچہ اسی اصول کو مدّنظر رکھتے ہوئے بہاء اللہ اور عبد البہاء نے اسلامی شریعت میں تغیر و تبدل کرنے کی کوشش کی ہے اور اسے موجودہ عیسائی اور مغربی کلچر اور مادی رجحانات کے مطابق ڈھالا ہے۔ ذیل میں ہم چند ایک احکام کو جو کہ انہوں نے اپنی الواح میں خود نازل کئے ہیں تحریر کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت از خود کھل جائے گی۔

(۱) بہائی شریعت میں کھانے پینے میں حلت و حرمت بالکل نہیں ہے۔ بلکہ تمام چیزوں کو پاک قرار دیا گیا ہے۔ خنزیر اور شراب بھی حلال ہے۔ چنانچہ عبد البہاء اس کی تصریح مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں :-

"مغربی دوستوں نے عرض کیا کہ امریکہ کے بہائیوں کو غذا کے بارے میں دستور العمل عنایت فرمایا جائے۔ عبد البہاء نے کہا کہ جسمانی کھانے میں ہمارا کوئی دخل نہیں۔ جو چاہو کھاؤ۔ ہم صرف روحانی غذا میں مداخلت کرتے ہیں"

(۲) شادی اور ازدواج میں بہائیوں میں کھلی چھٹی ہے۔ مرد و عورت کو مساوات کی تلقین کی گئی ہے۔ اسلامی پردہ کے حکم کو منسوخ قرار دیا گیا ہے اور فخریہ طور پر یہ کہا گیا ہے کہ "تحریکِ نسواں کی ابتداء میں ہی ایک بہائی عورت قرۃ العین نے سب سے پہلے مشرقی عورتوں کے روایتی پردہ کو دُور کیا ہے" شادی صرف لڑکے اور لڑکی کی رضامندی سے ہو سکتی ہے بعد میں والدین سے اجازت بھی لے لی جائے۔ طلاق صرف محفلِ روحانی

کو اطلاع دینے سے ہو سکتی ہے۔ نوجوان اور کنواری لڑکیوں کو اپنی خدمت میں رکھنا جائز ہے۔ زنا کی سزا صرف بیت العدل کو ۹ مثقال سونا بطور دیت کے دینا ہے۔ جس بیت العدل کا وجود ابھی تک عمل میں نہیں آیا۔ بہائی شریعت میں صرف ماؤں کی حرمت کا ذکر ہے گویا باقی سب سے شادی جائز ہے۔ بہاء اللہ نے دو بیویوں کی اجازت دی ہے مگر لطیفہ یہ ہے کہ خود بہاء اللہ کی تین بیویاں تھیں۔ اور پھر بہاء اللہ کے اس حکم کو عبد البہاء نے مغربی ممالک میں جا کر منسوخ کر دیا اور کہا کہ صرف ایک بیوی کی اجازت ہے۔ کیونکہ تعدد ازواج کی صورت میں عدل ممکن نہیں۔ حالانکہ بہاء اللہ نے عدل کی شرط نہیں لگائی بلکہ یہ شرط تو قرآن کریم نے لگائی ہے۔

(۳) اسلامی شریعت کے برعکس بہاء اللہ نے ریشمی لباس پہننے اور سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ داڑھی رکھنے، ترشوانے یا کٹوانے کے متعلق سب قیود سے آزادی ہے۔ البتہ سر کسی صورت میں منڈوایا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح لباس کے بارے میں کوئی پابندی نہیں۔ گانے اور راگ وغیرہ بالکل جائز اور حلال ہیں۔

(اقدس)

(۴) بہائی شریعت نے سود کو بالکل حلال قرار دیا ہے بہاء اللہ اپنی لوح اشراقات میں کہتے ہیں:۔

"ہم نے اپنے بندوں پر مہربانی کرنے کے ارادہ سے سود کو بھی مثل ان دیگر معاملات کے قرار دیا جو لوگوں میں رائج ہیں۔ یعنی اس وقت سے کہ یہ کھلا حکم مشیت الٰہی کے آسمان سے نازل ہوا ہے روپیہ اور چاندی سونے کا سود حلال طیب اور پاک ہے۔"

(۵) نماز باجماعت کا حکم منسوخ کر دیا گیا ہے۔ صرف انفرادی نماز ہے اور یہ بھی صرف ذاتی مرضی پر منحصر ہے۔

ہم نے نہایت اختصار سے جناب بہاء اللہ کی بعض مذہبی، اخلاقی اور تمدنی تعلیمات محض عیسائی خیالات اور موجودہ مغربی تہذیب کی صدائے بازگشت ہیں درج کی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کی اس زمانہ میں بظاہر کامیابی کو دیکھ کر اس کی تلقین شروع کر دی اور اسلام کی مکمل روحانی شریعت کو منسوخ کر دیا۔ مگر وہ خدا جس نے خود قرآن کریم کی لفظی اور معنوی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عین اس وقت مبعوث فرمایا جبکہ دین اسلام اندرونی اور بیرونی حملوں کا شکار بنا ہوا تھا۔ آپ نے ایک عظیم الشان بطل جلیل کی حیثیت سے اسلام کی مدافعت کا کام سرانجام دیا اور اپنے روحانی حربوں کے ذریعہ سے اسلام کی برتری تمام ادیان باطلہ پر ثابت کی چنانچہ آپ نے فرمایا:۔

"میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اسلام بدیہی طور پر سچا ہے ... خدا اس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے اور محمدی شریعت کے برخلاف چلتا ہے اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرتا بلکہ آپ کچھ بننا چاہتا ہے۔ مگر خدا اس شخص سے پیار کرتا ہے جو اس کی کتاب قرآن شریف کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو درحقیقت خاتم الانبیاء سمجھتا ہے اور اس کے فیض کا اپنے تئیں محتاج جانتا ہے۔ پس ایسا شخص خدا تعالیٰ کی جناب میں پیارا ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کا پیار یہ ہے کہ اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کو اپنے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف کرتا ہے اور اس کی حمایت میں اپنے نشان ظاہر کرتا ہے۔" (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۴) ٭

والدین کے بارے میں اسلام کی اعلیٰ تعلیم

ہمارے ہادیٔ کامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کا ایک نمونہ

(از حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب)

مکرم ملک محمود احمد صاحب اسسٹنٹ انجنیئر ریلوے لاہور کے ہاں میرے دوران قیام میں حسن اتفاق سے مورخہ 9/4 کو میلاد النبی کا دن منایا جا رہا تھا۔ اس مبارک دن کے تعلق میں انکے بھائی ملک حفیظ احمد صاحب نے مجھ سے خواہش کی کہ میں اپنے محبوب آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممتاز شان سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ سو میرے نزدیک آپ کی ممتاز شان ایک ہادیٔ کامل کی ہے جس کے ذریعہ سے ہمیں ایک ایسی کتاب ملی جو جامع ہے تمام ہدایتوں کی جن کی بنی نوع انسان کو ضرورت تھی، ضرورت ہے اور ہمیشہ کے لئے ان کی ضرورت رہے گی۔ جس قسم کے حالات آجکل ہیں ان میں میری یہ بات شاید مبالغہ آمیز سمجھی جائے۔ میں اس راہنمائے کامل کی کتاب میں سے صرف ایک ہدایت بطور نمونہ پیش کرتا ہوں اور فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں کہ آیا میرے بیان میں کوئی مبالغہ ہے؟ وہ نمونہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں جس کا نام اس نے (الہدیٰ) "ہدایتِ کامل" رکھا ہے۔ فرماتا ہے:۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا
اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ
اِحْسَانًا ....الخ

تیرے رب نے اس امر کا فیصلہ کیا ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔

یہ لفظ اردو یا پنجابی کا احسان نہیں (جس کے معنی ہیں خدمت کا بلا معاوضہ سلوک) بلکہ عربی لفظ ہے جو حسن سے مشتق ہے، اور اس کے معنی اتقان اور پختہ کاری ہیں۔ یعنی ایسا نیک سلوک جس میں کسی قسم کا نقص نہ ہو۔ اور ہر خوبی کا پہلو موجود ہو۔ عمل جب ہر جہت سے مکمل ہوتا ہے تو اس کے اندر حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ناقص ہونے کی حالت میں بقدر نقص وہ اپنا حسن کھو دیتا ہے۔ ع کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی۔ اپنے کام میں کمال پیدا کر تو جہان کا محبوب بن جائے گا۔

احسان عربی زبان میں ایسی نیکی ہے جو ہر نقص سے خالی اور اپنے اندر سراسر خوبی و حسن رکھنے والی ہو۔ عمل اپنے کمال اور اپنے حسن کی وجہ سے پیارا اور جاذب نظر ہوتا ہے۔

غرض ان معنوں میں لفظ "احسان" آیت بالوالدین احسانًا میں وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ والدین کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا نیک سلوک کرو۔ ہر مذہب نے یہ ہدایت کی ہے کہ والدین سے اچھے سے اچھا سلوک کیا جائے لیکن صرف اس قدر ہدایت کامل راہنمائی نہیں کہلا سکتی جب تک کہ والدین سے سلوک کے بارے میں بُرے اور اچھے پہلو بیان نہ کر دیئے جائیں، آدمی اندھیرے میں رہتا ہے کہ والدین کے ساتھ احسان

اور اعلیٰ نیک سلوک کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مختصر الفاظ میں سلوک کے دونوں پہلو منفی و مثبت بیان کر دیئے ہیں یعنی بتا دیا ہے کہ والدین سے سلوک میں کونسی بات نہیں کرنی چاہیئے اور کونسی کرنی چاہیئے۔ فرماتا ہے۔ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا۔ اگر والدین میں سے ایک یا دونوں تیرے پاس (تیری زندگی میں) بڑھاپے کو پہنچیں تو چونکہ بڑھاپے میں قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں بچے سے خدمت میں کوتاہی محسوس کرکے والدین کو رنج پہنچتا ہے۔ خواہ کوتاہی واقعی ہو یا خیالی۔ ان میں سے بعض افسردہ خاطر۔ بعض زود رنج اور بعض چڑچڑی طبیعت کے ہوجاتے ہیں۔ بڑھاپے میں کمزوری کی وجہ سے قوتِ برداشت نہیں ہوتی جو جوانی میں ہوتی ہے۔ فرماتا ہے وہ اپنی طبعی کمزوری کی وجہ سے معذور ہیں۔ اور تم جوان ہو۔ تمہیں قوتِ برداشت کی نعمت حاصل ہے۔ اس لئے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ بوڑھے والدین سے تکلیف دہ بات کا اظہار نہ ہو۔ فلا تقل لھما اُفٍّ۔ اُن سے اُف تک نہ کرو۔ اُف کی آواز سے تکلیف کا کم از کم اظہار کیا جاتا ہے۔ فرماتا ہے کہ اُن کے سامنے اپنے صدمہ کا کم از کم اظہار بھی نہ ہو۔ بعض بے وقوف بچے بوڑھے ماں باپ سے شکایت سُن کر ان کے سامنے بے ادبی کا رویّہ اختیار کرتے اور سختی سے جواب دیتے ہیں۔ فرماتا ہے ولا تنھرھما۔ اُن سے سخت کلامی سے پیش نہ آؤ۔ نھر کے معنی جھڑکنا۔ آواز کی سختی اور بلندی کو عربی میں نھر کہتے ہیں۔ اور اس کے مقابل اُف ہے جو کم از کم آواز ہے جس سے تکلیف کا اظہار ہوتا ہے۔ دونوں لفظوں سے اظہارِ تکلیف کی دو صورتیں بتا کر اولاد کو اِن منع کیا ہے اور ہدایت فرمائی ہے کہ بوڑھے والدین کی کمزوری سے چشم پوشی کرو۔ وہ معذور ہیں۔ جواب میں تمہاری طرف سے کم از کم اظہار سے بھی (جو اُف کہلاتا ہے) اُن کے کمزور دل کو صدمہ پہنچے گا۔ چہ جائیکہ جواب میں سختی ہو۔ والدین سے سلوک میں یہ ممانعت ایک نفی کی صورت ہے۔ یعنی ایسا نہ کر، یہ بات نہ کر، وہ بات نہ کر۔ بُری بات نہ کرنا خوبی نہیں کہلا سکتا۔ اگر کسی کی تعریف کی جائے کہ آپ بڑے اچھے ہیں، چوری نہیں کرتے، ڈاکو نہیں ہیں۔ جھوٹے، فریبی، دھوکا باز نہیں ہیں، شرابی نہیں ہیں تو وہ اپنی اِس تعریف پر خوش نہیں ہوگا۔ بدی نہ کرنا نیکی کرنے کے مقابلہ میں ایک ادنیٰ درجہ ہے۔ دوسرے کا مال چوری، ڈاکہ اور فریب سے نہ لینا کوئی خوبی نہیں بلکہ خوبی یہ ہے کہ اپنا مال بیمار، کمزور اور محتاج کو دینا۔ جو صدقہ و خیرات دیتا ہے سخی داتا کہلاتا ہے۔ جھوٹ نہ بولنے والے کے مقابل راستباز بے خوف و خطر سچ بولنے والے، سچائی کی حمایت کرنے والے اچھے لوگ سمجھے جاتے ہیں اور قابلِ تعریف ہوتے ہیں۔

اِسی طرح قرآن مجید نے والدین سے سلوک کے تعلق میں فلا تقل لھما اُفٍّ ولا تنھرھما کی نہی و ممانعت پر بس نہیں کی بلکہ فرماتا ہے وقل لھما قولاً کریماً کہ بوڑھے والدین سے اگر چڑچڑاپن یا کوئی اَور تکلیف دہ بات ظاہر ہو تو اُن کے سامنے اُف تک نہ کر بلکہ ایسی بات کر جس میں ادب ہو۔ ان کی تکلیف و غصہ دُور ہو اور بات کرنے میں ان کی عزت سمجھی جائے۔ اُف کرنے یا بلند آواز سے سختی کرنے میں تو کسی کی عزت کا پاس نہیں ہوتا۔ بلکہ مودبانہ عرض کرنے ہی سے سمجھا جائے گا کہ جس سے بات کی جا رہی ہے وہ معزز شخص ہے۔ قرآن مجید کے حکم وقل لھما قولاً کریماً میں نیکی کے تیسرے درجے کا ذکر ہے۔ کیونکہ بالکل خاموش رہنے میں ایک قسم کی لاپرواہی اور نخوت

پائی جاتی ہے۔ اس صورت سے بچوں کو بچایا اور فرمایا ہے کہ والدین سے ان کی تکلیف کے اظہار پر ادب کا پہلو ملحوظ رکھو اور ایسی بات کہو جس سے ان کی تکلیف دُور ہو۔

والدین سے سلوک میں ادب کا یہ پہلو قابلِ تعریف ہوگا۔ مگر یہ کافی نہیں کیونکہ بعض لوگ گفتگو میں مؤدب اور شیریں گفتار ہوتے ہیں۔ میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں مگر عملاً کرتے کچھ نہیں۔ عملی رویّہ ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے جس سے والدین کی شکایت دُور نہیں ہو سکتی۔

شیریں کلامی سے وقتی طور پر تو تسلی ہو سکتی ہے۔ مگر اس سے ان کی خدمت کا حق ادا نہیں ہو جائے گا۔ اسلئے فرمایا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ کہ والدین کے سامنے تواضع و انکساری کے پر جھکا دے۔ ایسے پر جو رحمت کے پر ہوں۔ جب بچپن کے وقت تم کمزوری و ناتوانی کی حالت میں تھے تو والدین نے اپنی آغوشِ رحمت میں لیکر تمہاری پرورش کی، پالا، تمہاری ہر تکلیف دُور کی، اب بڑھاپے میں ان کی کمزوری کا زمانہ ہے تو اس زمانہ میں تمہارا فرض ہے کہ اُن کے سامنے عاجزی سے رحمت کے اپنے پر جھکائے رکھ۔ کتنی اعلیٰ یہ ہدایت ہے جو ہمارے کامل ہادی و راہنما محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہمیں دی گئی۔ ادنیٰ درجہ سے شروع کیا ہے اور اعلیٰ درجہ کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔

مگر نیکی کے اسی درجہ پر بس نہیں کی۔ نیکی کا ایک اور بلند مقام ہمیں دکھایا ہے۔ اور والدین کے لئے رحمانیت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ انسان کا اپنے والدین سے رحمت کا سلوک کتنا ہی کیوں نہ ہو آخر وہ محدود ہے۔ انسان اپنے والدین کی کتنی بھی خدمت کرے اس کے ذرائع خدمت تھوڑے ہیں۔ فرماتا ہے ان کے لئے اپنے رب سے جو رحمان و رحیم ہے، جس کی رحمت لامحدود ہے یہ دعا کرو۔ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا ؕ کہ اے میرے رب اِن دونوں پر تو رحم فرما۔ کیونکہ انہوں نے جب میں کمزور تھا میری پرورش فرمائی۔ اب وہ کمزور ہیں میری پرورش کے وسائل محدود ہیں۔ میری رحمت و خدمت ان کے احسان کا بدلہ نہیں ادا کر سکتی اسلئے تُو اپنے لامحدود وسائل ربوبیت و رحمت سے انہیں نواز اور میری اِس کمزوری کا تدارک فرما۔

والدین سے سلوک میں قرآن حکیم کی یہ ہدایت کتنی اعلیٰ ہے۔ اور دعا کرنے کی ہدایت کا یہ پانچواں درجہ ہے۔ مگر اِس ہدایت سے اوپر ایک اور بلند ترین مقام بھی ہے اس کی طرف ہمیں توجہ دلائی ہے۔ فرماتا ہے۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ یعنی تمہارا رب جانتا ہے جو تمہارے نفسوں میں ہے اگر تم صالح ہو تو پھر یقین رکھو تمہارا رب غفور ہے۔ اپنے حضور بار بار جھکنے والوں کو اپنی مغفرت سے ضرور نوازے گا اور ان کی کمزوریوں کو دُور کرے گا۔ کہ انہوں نے اپنے بوڑھے والدین کا ان کی کمزوری میں حق ادا کیا اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی ہے۔

اَوَّابِيْنَ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے حضور بار بار اور بہت جُھکنے والے۔ یہ اَوَّابْ کی جمع ہے اور مبالغے کا صیغہ ہے۔ اِس چھٹی ہدایت سے نفس کی اصلاح کیطرف توجہ دلائی ہے کہ والدین کی خدمت بجا لا کر اپنے دل میں یہ خیال بھی نہ کرو کہ تم ان پر احسان کر رہے ہو بلکہ یہ اُن کی پرورش کا ادنیٰ حق ہے جو تم ادا کر رہے ہو اور اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس سے محبت کا پیوند قائم کرتے ہو اور اس کی طرف جھکنے کا تمہیں والدین کی خدمت میں روزانہ بار بار موقع مل رہا ہے۔

(باقی)

قرآن مجید پر تدبّر اور ہمارا فرض

(از مکرم مولوی عبد المنان صاحب شاہد مولوی فاضل مربی سلسلہ احمدیہ)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ افلا یتدبّرون القرآن (نساء ع۱۱) نیز فرماتا ہے۔ افلم یدّبّروا القول (مومنون ع۴) یعنی وہ لوگ جو قرآن مجید کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کلام تسلیم نہیں کرتے وہ قرآن مجید کے اسلوب بیان اور اس کی تعلیمات اور اس کے بیان کردہ عقائد اور اس کی کامل صداقتوں اور حکمتوں پر مشتمل مضامین پر غور و تدبر کر کے کیوں اپنے اس شبہ کا ازالہ نہیں کرتے؟ پس جب اللہ تعالیٰ نے مخالفین قرآن کو اس پر فکر و نظر اور تدبر کرنے کی دعوت دی ہے۔ تو جن لوگوں کے لئے قرآن مجید پر ایمان لانا اور اس کے اوامر و نواہی اور جملہ احکامات کی کما حقہٗ تعمیل کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ ان کے لئے قرآن مجید کے حقائق و معارف کو معلوم کرنا اور اس کے مخفی خزائن پر اطلاع پانا اور اس کے کمالات اور معجزات اور آیاتِ بیّنات پر تدبر کرنا تو بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ تاکہ وہ خود اس کو الٰہی معجزہ سمجھیں اور کامل بصیرت اور پوری صدق دلی سے قرآن مجید کی تعلیمات اور احکامات پر گامزن ہو کر دینی اور دنیاوی ترقیات حاصل کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"یہ خوبی قرآنی تعلیم میں ہے کہ اس کا ہر ایک حکم معلّل باغراض و مصالح ہے۔ اور اسی لئے جا بجا قرآن کریم میں تاکید ہے کہ عقل، فہم، تدبر، فقاہت اور ایمان سے کام لیا جائے اور قرآن اور دوسری کتابوں میں یہی مابہ الامتیاز ہے۔ اور کسی کتاب نے اپنی تعلیم کو عقل اور تدبر کی دقیق اور آزاد نکتہ چینی کے آگے ڈالنے کی جرأت ہی نہیں کی۔"

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۰۸)

افسوس ہے کہ بعد کے مسلمانوں نے اپنے دنیوی مشاغل اور نفسانی لذّات میں انہماک کی وجہ سے اکثر صورتوں میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور اس کی آیات پر فکر و تدبر کرنا ترک کر دیا۔ تلاوت کرتے وقت قرآن مجید ان کی حنجرے سے نیچے نہ اترتا۔ یعنی قلب پر روحانی اور نورانی تاثیرات قائم نہ ہوتیں اور حدیث شریف ربّ قارئٍ یلعنہ القرآن (یعنی کئی ایسے قاری ہیں کہ ان پر قرآن مجید لعنت کرتا ہے) کے مصداق ہوتے۔ کیونکہ انہوں نے حضورِ قلب اور صدقِ نیّت سے قرآن مجید کی تلاوت نہ کی بلکہ دنیا کو مدّنظر رکھا اور پھر اس پر عمل نہ کیا اور اس کی روشنی اور نور و ہدایت کو منزل تک نہ پہنچایا حتیٰ کہ زمانہ کی حالت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی لم یبق من القرآن الا رسمہٗ (یعنی قرآن مجید کے صرف نشان باقی رہ جائیں گے لوگ اس کی حقیقت اور اصلیت کو بھلا دیں گے) کے عین مطابق ہو گئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزبانِ حال پکار اٹھے

بِرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔ پس جب مسلمانوں نے قرآن کو تدبر سے نہ پڑھا تو کامل بصیرت اور بشاشت قلبی کے ساتھ اس کے احکام پر عمل کرنا بھی چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پستی اور تنزل کی عمیق وادیوں میں سرگرداں ہوئے سہ

مسلمانوں پہ تب ادبار آیا
کہ جب تعلیم قرآں کو بھلایا

(حضرت مسیح موعودؑ)

قرآن مجید ہر زمانہ کیلئے مکتفی ہے

مسلمانوں نے قرآن مجید کا تدبر اسلئے چھوڑ دیا کہ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ قرآن مجید کے مطالب اور اسرار اور اس کے علوم حکمیہ نظریہ اور معارف کے خزائن مخفیہ اور نکاتِ دقیقہ صرف پہلے زمانہ کے اولیاء اور علماء تک ہی محدود تھے۔ اس کے بعد اب کوئی ان سے زائد کمالات اخذ نہیں کر سکتا اسلئے قرآن مجید پر مزید تدبر کرنے کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس غلط فہمی کا ازالہ قرآن مجید میں خود فرمایا ہے۔ کیونکہ فرماتا ہے قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا یعنی قیامت تک لوگ قرآن مجید کے حقائق و معارف اور اس کی صداقتوں اور حکمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔ قرآن مجید کے مدنظر کوئی خاص قوم یا کوئی خاص ملک یا کوئی خاص زمانہ نہیں ہے۔ بلکہ تمام ملکوں اور تمام قوموں اور تمام زمانوں کے لوگ اس کے مطالب و معانی اور کمالات سے متمتع ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ میں اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ کتاب کثرت سے پڑھی جائے گی اور اس کا پڑھنا اور اس کے مفہوم اور مطالب کو سمجھنا آسان ہوگا جیسا کہ فرمایا وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔ کہ ہر غور و فکر کرنے والے کیلئے قرآن مجید کے مطالب آسان ہوتے جاتے ہیں اور تدبر سے ہر شخص اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق اس ناپیدا کنار سمندر میں غوطہ زن ہو کر دُررِ ثمینہ اور جواہراتِ مخفیہ اور حقائق ضروریہ سے بہرہ مند ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ میں جہاں قرآن مجید کی ظاہری حفاظت کا (بذریعہ کثرتِ حفاظ اور لکھائی چھپائی) انتظام فرمایا ہے وہاں پر اس کی باطنی اور اندرونی حفاظت کا انتظام اس طور پر فرمایا کہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو قرآن مجید پر غور و فکر اور تدبر کے ذریعہ زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے مسائل اخذ کرتے رہیں اور باطنی کمالات اور عجیب و غریب لطائف اور خواص کا اظہار کرتے رہیں گے [illegible] کی خوبیوں اور صفاتِ حسنہ اور صداقتوں سے دنیا کو فائدہ پہنچاتے رہیں گے۔ پس قرآن مجید کی [illegible] متقاضی ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں جو اس کی باطنی خوبیوں اور نعمتوں اور برکتوں کو ظاہر کرتے رہیں۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی کوشش اور محنت اور جد و جہد کو ضائع نہیں کرتا۔ جو لوگ اپنے فہم و ادراک کو کام میں لاتے ہوئے جمعیتِ قلبی اور پوری توجہ کے ماتحت خالص نیت سے قرآن مجید پر تدبر کرنے والے ہیں وہ کیونکر قرآن مجید کی برکات اور کمالات کو معلوم کرنے سے محروم رہ سکتے ہیں اور فرمانِ الٰہی وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کیسے غلط ہو سکتا ہے؟ وَمَنْ اَصْدَقُ

مِنَ اللہِ قِیۡلًا۔ کسی نے خوب فرمایا ہے ؎

جمیع العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنہ افہام الرجال

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ :-

"خدا کسی ذی استعداد کی استعداد کو ضائع نہیں کرتا اور کسی سچے طالب پر اس فیض کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی خیال باطل میں یہ سمایا ہوا ہے کہ کسی وقت کسی زمانہ میں فیوض الٰہی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور ذی استعداد لوگوں کی کوششیں اور محنتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ تو اس نے اب تک خدا تعالیٰ کا قدر شناخت نہیں کیا۔ اور ایسا آدمی انہی لوگوں میں داخل ہے۔ جن کی نسبت خدا تعالیٰ نے آپ فرمایا ہے وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖ" (براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ صفحہ ۲۶۰)

قرآن مجید کامل کتاب ہے

بعض لوگ اپنی نافہمی اور قرآن مجید پر عدم تدبر کے باعث یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید آج سے چودہ سو برس پہلے پرانے لوگوں کے لئے مشعل راہ تھا اب قرآن مجید موجودہ ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا ہے۔ اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔ اور میں اسلام کو تمہارا دین مقرر کر کے خوش ہوا ہوں۔" پس قرآن مجید جامع جمیع کمالات حسنہ ہے اور جس قدر انسان کو ضرورتیں اور حاجتیں لاحق ہو سکتی ہیں۔ تمام قرآن مجید میں بیان کر دی گئی ہیں۔ اب کوئی مخالف قرآن دینی اور دنیاوی ترقی حاصل کرنے کا کوئی اصول یا کوئی صداقت اور حکمت کی بات دکھا نہیں سکتا جو قرآن مجید میں پہلے ہی سے مذکور نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بلند آواز سے اس کی مثل اور مانند یا اس سے اعلیٰ کتاب پیش کرنے کا کھلا چیلنج دیا ہے۔ فرمایا :-

قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡجِنُّ وَ
الۡاِنۡسُ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ
ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِہٖ
وَلَوۡ کَانَ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ ظَہِیۡرًا ؁
(بنی اسرائیل ع ۱)

یعنی تو انہیں کہہ کہ اگر تمام انسان بھی اور جن بھی اس کی نظیر لانے کے لئے جمع ہو جائیں تو پھر بھی وہ اس کی نظیر نہیں لا سکتے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس چیلنج کا آج تک کوئی جواب نہ دے سکا۔

پھر فرمایا :-

وَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ
فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰہِ

کہ جب یہ قرآنی چیلنج کو قبول کر کے اسکی مانند نہ لا سکیں تو سمجھ لو کہ قرآن پاک کا نزول علم الٰہی کے مطابق ہوا ہے اور انسان اس کے مقابلہ سے عاجز ہیں۔

قرآن مجید کے سوا دنیا کی کسی کتاب کا بے نظیر ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔ اسی طرح توریت اور انجیل کا بھی بوجہ مختص القوم اور مختص الزمان ہونے کے کوئی ایسا دعویٰ نہیں ہے۔ توریت کے غیر کامل ہونے کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (استثناء ۱۸/۱۵-۲۲ و ۳۲/۱-۵ میں) خود اقرار

فرمالیا تھا جبکہ انہوں نے بنی اسرائیل کے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے ایک آتشی شریعت لانے والے کے متعلق پیشگوئی بیان فرمائی اور حضرت مسیح علیہ السلام نے تو صاف کہہ دیا کہ میں کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آیا۔ توریت ہی کے احکام پر عمل کروانے آیا ہوں۔ اور یہ کہ "مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھلائے گا" (یوحنا ۱۶/۱۳) چنانچہ وہ جلالی اور جمالی صفات سے متصف روح حق حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی تمام برکتوں کے ساتھ اور شریعت غرا لیکر مکہ مکرمہ سے جلوہ گر ہوئے اور آپ نے شریعت اسلامیہ کے متعلق اعلانات فرمائے کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ـــ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ـــ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ـــ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ـ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ـــ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ۔

غرضیکہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں ہر زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے مواد جمع کر دیا ہے۔ ہر زمانہ کے حاجت مند قرآن مجید سے اپنے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ ضرورت صرف غور کرنے والوں، ڈھونڈنے والوں اور تدبر کرنے والوں کی ہے جو اس مخفی خزانہ سے قیمتی موتی نکال نکال کر دنیا پر نچھاور کرتے رہیں ؎

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"(...) ...بندگانِ خدا یقیناً یاد رکھو کہ قرآن شریف میں غیر محدود معارف و حقائق کا اعجاز ایسا کامل ہے جس نے ہر ایک زمانے میں تلوار سے زیادہ کام کیا ہے۔ اور ہر ایک زمانہ اپنی نئی حالت کے ساتھ جو شبہات پیش کرتا ہے یا جس قسم کے اعلےٰ معارف کا دعویٰ کرتا ہے اس کی پوری مدافعت اور پورا الزام اور پورا پورا مقابلہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ کوئی شخص برہمو ہو یا بدھ مذہب والا یا آریہ یا کسی اور رنگ کا فلسفی کوئی ایسی الٰہی صداقت نکال نہیں سکتا جو قرآن شریف میں پہلے سے موجود نہ ہو۔ قرآن شریف کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے اور جس طرح صحیفۂ فطرت کے عجائبات و غرائب خواص کسی پہلے زمانے تک ختم نہیں ہو چکے بلکہ جدید در جدید پیدا ہوتے جاتے ہیں یہی حال ان صحف مطہرہ کا ہے تا خدائے تعالیٰ

کے قول و فعل میں مطابقت ثابت ہو۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۲۸-۱۲۹)

(ب) نیز فرمایا :-

" قرآن کریم کے دقائق و معارف و حقائق بھی زمانہ کی ضرورت کے موافق کھلتے ہیں۔ مثلاً جس زمانہ میں ہم ہیں اور جن معارفِ فرقانیہ کی بمقابل دجالی فرقوں کے ہمیں اس وقت ضرورت آپڑی ہے وہ ضرورت ان لوگوں کو نہیں تھی جنہوں نے ان دجالی فرقوں کا زمانہ نہیں پایا۔ سو وہ باتیں ان پر مخفی رہیں اور ہم پر کھولی گئیں۔" (ازالہ اوہام)

لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ

مگر قرآن مجید کی آیات

متشابہات سے محکمات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اور اس کی برکات اور غیر محدود علوم، حکمتوں اور غوامض معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل و جان سے قبول کیا جائے اور صداقت اور راستبازی اور طہارتِ قلبی اور تزکیۂ نفس اختیار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ؎

گر بقرآں ہر کسے را راہ بود
پس چرا شرطِ تطہّر را فزود
نور را داند کسے کو نور شد
وز حجاب سرکشی ہا دور شد

یعنی اگر ہر شخص قرآن کو سمجھ سکتا تو اللہ تعالیٰ نے تطہّر کی شرط کیوں زائد لگا دی؟ نور کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو خود نور ہو گیا ہو اور سرکشی کے حجابوں سے دور ہو گیا ہو۔

دراصل کسی چیز کو پانے کے لئے اس کے ساتھ خاص مناسبت کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ قرآن مجید خدائے پاک کا کلام ہے اور پاکیزہ لوگ ہی پاکیزہ کلام سے متمتع ہو سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

وحیٔ قرآں رازہا دارد بسے
نسبتے باید کہ تا فہمد کسے

یعنی قرآن مجید کی وحی میں بکثرت اسرار ہیں۔ مناسبت ہونی چاہیئے تا ان کو کوئی سمجھ سکے۔

آیت قرآنیہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ میں بھی اشارہ ہے کہ متقی کا خدا تعالیٰ خود معلّم ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَیُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ۔ اسلئے جو لوگ طہارت، تزکیہ اور تقویٰ شعاری سے کام لیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ قرآن کی عمیق حکمتوں اور دقیق معرفتوں اور اعلیٰ برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے (وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا) سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ :-

"جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے اوپر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبّر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے

نہ کیا ہو۔" (کشتی نوح)

معارف قرآنی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ہمارے زمانہ میں جب ایک طرف مخالفین اسلام نے قرآن پاک پر بے شمار اعتراضات کئے، لا انتہار نکتہ چینیوں کا سلسلہ شروع کر دیا اور دوسری طرف مسلمانوں نے قرآن مجید پڑھنے پڑھانے اور اس پر تدبر کرنے اور اس کی صداقت اور نور کو دوسروں تک پہنچانے میں غفلت برتی تو اللہ تعالےٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ و السلام کو قرآن مجید کی عزت و حرمت قائم کرنے اور اس کی حقیقی شان اور مرتبہ کو ظاہر کرنے اور اس کی حکمتوں اور برکتوں اور الٰہی معجزات اور معارف و اسرار و غوامض کو دنیا میں پھیلانے کی خاطر بھیجا اور آپ کی آمد کا مقصد اوّل "یحیی الدین ویقیم الشریعۃ" قرار دیا۔ آپ کو بچپن ہی سے قرآن مجید کے ساتھ بے پایاں اور بے انتہا عشق و محبت تھی۔ آپ قرآن مجید کی تلاوت، اس کی آیات، اسکے معانی اور مطالب پر غور و تدبر میں ہی تمام دن گزارتے اور اس کے اسرار و نکات اور کمالات و عجائبات کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کرنے کی خاطر ہر دم اللہ تعالےٰ سے دعائیں فرماتے۔ چنانچہ آپ کی سیرت میں یہ ایمان افروز واقعہ آتا ہے کہ آپ کا اکثر معمول تھا کہ آپ گھر سے باہر اپنے اوپر چادر لپیٹے رکھتے اور صرف اتنا حصہ چہرہ کا کھلا رکھتے جس سے راستہ نظر آئے۔ جب کچہری سے فارغ ہو کر واپس اپنی قیام گاہ پر تشریف لاتے تو دروازہ بند کر لیتے اور قرآن شریف کی تلاوت اور ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ آپ کے اس طریق مبارک سے بعض متجسس طبیعتوں کو خیال پیدا ہوا کہ ٹوہ لگانا چاہیئے کہ آپ کواڑ بند کر کے کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ ایک "سراغ رساں" گروہ نے آپ کی "خفیہ سازش" کو بھانپ لیا۔ یعنی انہوں نے بچشم خود دیکھا کہ آپ مصلّٰے پر رونق افروز ہیں۔ قرآن مجید ہاتھ میں ہے اور نہایت عاجزی اور الحاح و زاری اور کرب و اضطراب سے دست بدعا ہیں کہ:۔

"یا اللہ! یہ تیرا کلام ہے مجھے تو تو ہی سمجھائے گا تو میں سمجھ سکتا ہوں۔"

(حیات النبی جلد ۱ صہ)

ایک دوسری روایت ہے کہ:۔

"مرزا صاحب اندر جاتے اور دروازہ بند کر لیتے اور اندر صحن میں جا کر قرآن پڑھتے رہتے۔ میرے والد صاحب بتلایا کرتے تھے کہ مرزا صاحب قرآن مجید پڑھتے پڑھتے بعض وقت سجدہ میں گر جاتے اور لمبے لمبے سجدے کرتے ہیں اور یہاں تک روتے ہیں کہ زمین تر ہو جاتی ہے۔"

(سیرۃ المہدی حصہ سوم ص۹۲)

حضورؑ نے سچ فرمایا ہے ؎

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چُوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آپ کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور ایسے قرآنی علوم و معارف اور حِکَم عطا فرمائے کہ کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"پھر ایک اور پیشگوئی نشان الٰہی ہے جو براہین کے صفحہ ۲۳۸ میں درج ہے اور وہ یہ ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے علم قرآن کا وعدہ دیا تھا۔ سو اس وعدہ کو ایسے طور پر پورا کیا کہ اب کسی کو معارف قرآنی میں مقابلہ کی طاقت نہیں۔ میں سچ سچ

کہتا ہوں کہ اگر کوئی مولوی اِس ملک کے تمام مولویوں میں سے معارف قرآنی میں مجھ سے مقابلہ کرنا چاہے اور کسی سورۃ کی ایک تفسیر میں لکھوں اور ایک کوئی اور مخالف لکھے تو وہ نہایت ذلیل ہوگا اور مقابلہ نہیں کر سکے گا اور یہی وجہ ہے کہ باوجود اصرار کے مولویوں نے اس طرف رُخ نہیں کیا۔ پس یہ ایک عظیم الشان نشان ہے۔ مگر ان کے لئے جو انصاف اور ایمان رکھتے ہیں۔" (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۹)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کی اشاعت اور ترویج اِس طور پر کی ہے اور اس کے حقائق و معارف اور کمالات ایسے رنگ میں پھیلائے ہیں کہ اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ آپؑ نے اپنی جماعت کا اوّل مقصد یہی قرار دیا ہے کہ قرآن کی تعلیمات اور برکات کو دنیا میں پھیلایا جائے اور اس کے برعکس جو لوگ قرآن مجید کی تعلیم سے غفلت اور بے اعتنائی اختیار کرتے ہیں انکے متعلق اللہ تعالےٰ کی زبان سے یہ فرمایا ہے کہ:۔

"مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ نَبْتَلِيْهِ
بِذُرِّيَّةٍ فَاسِقَةٍ مُلْحِدَةٍ
يَمِيْلُوْنَ اِلَى الدُّنْيَا وَلَا
يَعْبُدُوْنَنِيْ شَيْئًا"

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی وچکڑالوی حاشیہ)

یعنی جو شخص قرآن مجید سے منہ پھیریگا ہم اس کو ایک فاسق اور ملحد اولاد کے ساتھ مبتلا کریں گے۔ وہ دنیا کی طرف مائل ہوں گے اور میری عبادت کی طرف کچھ بھی توجہ نہ کریں گے۔

پس ہر ایک کو اِس فرمان سے خوف کھانا چاہیئے اور قرآن مجید کی تعلیم کی طرف اور اس پر تدبر کی طرف خاص توجہ دینی چاہیئے۔ تاکہ اللہ تعالےٰ کے غضب اور عذاب کا مورد نہ بنیں بلکہ اس کی نعمتوں اور برکتوں کو حاصل کرنے والے ہوں ؎

اے بے خبر بخدمتِ فرقاں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

یعنی اے بے خبر قرآن مجید کی خدمت کے لئے کمر باندھ لے قبل اس کے کہ یہ آواز آجائے کہ فلاں شخص اس دنیا میں نہیں رہا۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جماعت کو خاص طور پر تعلیم اور نصیحت فرمائی ہے کہ:۔

"قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑو تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ **جو لوگ قرآن شریف کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔** جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔"
(کشتی نوح)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے درس و تدریس اور دوستوں کے اندر قرآنی علوم سیکھنے کا شغف پیدا کرنے کا فریضہ احسن رنگ میں سرانجام دیا۔ ان کے بعد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید کے علوم سیکھے اور دنیا کے سامنے یہ چیلنج پیش کیا کہ کوئی شخص قرآن مجید کی تفسیر اور اسکے معارف

اور حقائق و لطائف بیان کرنے میں میرا مقابلہ کرلے۔ مگر کوئی بھی آج تک مقابلہ کے لئے کھڑا نہیں ہوا۔ آپ نے ایسے معارف اور نکات بیان فرمائے کہ جن کا پہلی کتب میں کوئی نشان نہیں ملتا۔ دنیا کی کئی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کروا کر دنیا کے لئے اس پر غور و فکر اور تدبر کے راستوں کو آسان کر دیا ہے۔ روز بروز آپ قرآنی علوم و معارف کو پھیلانے کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت بخشے اور آپ کے مقاصد کو جلد پورا فرمائے۔ اللّٰھم آمین)

آپ قرآن مجید کی تعلیم اور اس کی اشاعت کے بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

"یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کی طرف سے توجہ ہٹالی ہے اور دوسری طرف چلے گئے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک نہایت ہی قیمتی چیز خدا تعالیٰ کی طرف سے عظیم الشان نعمت کے طور پر مسلمانوں کو ملی تھی۔ اب **جماعت احمدیہ کو اس کی طرف پوری توجہ کرنی چاہیئے اور ہمارا کوئی آدمی ایسا نہیں رہنا چاہیئے جو قرآن کریم نہ پڑھ سکتا ہو۔ اور جسے اس کا ترجمہ نہ آتا ہو۔** اگر کسی شخص کو اس کے دوست کا کوئی خط آجائے تو جب تک وہ اسے پڑھ نہ لے اسے چین نہیں آتا اور اگر خود پڑھا ہوا نہ ہو تو یکے بعد دیگرے دو تین آدمیوں سے پڑھائے گا۔ تب اسے یقین آئے گا کہ پڑھنے والے نے صحیح پڑھا ہے لیکن **کتنے افسوس کی بات ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا خط آئے اور اس کی طرف توجہ نہ کی جائے۔**

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ غرباء قرآن کریم پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور امراء اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ جو شخص دنیاوی لحاظ سے کوئی علم رکھتا ہے یا امیر ہے تو اس کے لئے قرآن کریم کے پڑھنے کے مواقع میسر آسکتے ہیں۔ **میرے نزدیک ایسے لوگ جو کہ تعلیم یافتہ ہیں، مثلاً ڈاکٹر ہیں، وکیل ہیں، بیرسٹر ہیں، انجینئر ہیں، وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مجرم ہیں۔ کیونکہ وہ اگر قرآن کریم** پڑھنا چاہتے تو بہت آسانی سے اور بہت جلدی پڑھ سکتے تھے۔ پس ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ گنہگار ہیں۔ دوسرے لوگوں کے متعلق تو یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ ان کا حافظہ کام نہیں کرتا تھا۔ لیکن ان لوگوں کے دماغ تو روشن تھے اور حافظہ کام کرتا تھا پھر بھی تو

انہوں نے ایسے علوم سیکھے لئے الیسے لوگوں سے اللہ تعالےٰ کہے گا کہ تمہیں دنیوی علوم کے لئے تو وقت اور حافظہ مل گیا۔ لیکن میرے کلام کو سمجھنے کے لئے تمہارے پاس وقت نہ تھا اور نہ ہی تمہارے پاس حافظہ تھا۔ ایک غریب آدمی کو تو دن میں دس بارہ گھنٹے اپنے پیٹ کے لئے کام کرنا پڑتا ہے لیکن باوجود اس کے وہ قرآن کریم پڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور ایک امیر آدمی یا ایک وکیل یا ایک بیرسٹر یا ایک ڈاکٹر جن کو چند گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے ان کے لئے قرآن کریم پڑھنا کیا مشکل ہے۔ یہ سب سُستی اور غفلت کی علامت ہے۔ اگر انسان کوشش کرے تو بہت جلد اللہ تعالےٰ اس کے لئے رستہ آسان کر دیتا ہے۔ دوسری دنیا تو پہلے ہی دنیا کمانے میں منہمک ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتی۔ اگر ہماری جماعت بھی اسی طرح کرے تو کتنے افسوس کی بات ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا علم و ہنر اور دوسری ایجادوں میں تو ترقی کرتی جا رہی ہے لیکن چونکہ قرآن کریم سے دُور جا رہی ہے اسلئے وہی چیزیں اس پر تباہی اور بربادی لا رہی ہیں۔ جب تک لوگ قرآن کریم کی تعلیمات کو نہیں اپنائیں گے، جب تک قرآن کریم کو اپنا رہبر نہیں مانیں گے اس وقت تک چین کا سانس نہیں لے سکتے۔ یہی دنیا کا مداوا ہے۔ ہماری جماعت کو کوشش کرنی چاہیئے کہ دنیا قرآن کریم کی خوبیوں سے واقف ہو۔ اور قرآن کریم کی تعلیم لوگوں کے سامنے بار بار آتی رہے تاکہ دنیا اس امن کے سایہ تلے آکر امن حاصل کرے۔" (الفضل ۱۴ ستمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۳)

اللہ تعالےٰ ہم کو قرآن مجید پڑھنے، اس پر تدبر کرنے اور اس کی تعلیمات اور برکات کو دنیا میں پھیلانے کی توفیق بخشے۔ اللّٰھم آمین ؎

سالانہ چندہ چھ روپے ہے!

بعض خریدار ابھی تک اپنا سالانہ چندہ پانچ روپے بھیج رہے ہیں حالانکہ رسالہ کے حجم میں اضافہ کے باعث اب سالانہ چھ روپے مقرر ہے۔ جن دوستوں نے پانچ روپے ارسال فرمائے ہیں ان سے درخواست ہے کہ ایک روپیہ مزید ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔ (مینیجر الفرقان)

ایک پادری صاحب سے ملاقات

(از جناب نواب منظور احمد صاحب سکھر)

مجھے دینی معلومات کا بے حد شوق ہے۔ اور اسی شوق کو پورا کرنے کے لئے میں علماء سے ملتا رہتا ہوں۔ اسی سلسلہ میں میں نے پادری کے۔ ایل۔ ناصر گوجرانوالہ کو ایک خط لکھا جس کے جواب میں مجھے چند کتب ملیں۔ اور ساتھ ہی ہدایت ملی کہ اپنے شہر میں سردار مسیح صاحب سے ملاقات کریں۔ میں حسب ہدایت ملا۔ انہوں نے وقت کی کمی کی وجہ سے معذوری ظاہر کی۔ آخرکار ایک ماہ بعد ۵ ستمبر صبح ۹ بجے وقت مقرر ہوا اور میں ان کے دولت خانہ پر بڑی امید سے گیا۔ جو گفتگو ہوئی وہ مندرجہ ذیل ہے:۔

پ:۔ آپ کی تعلیم کہاں تک ہے؟

میں:۔ F.S.C کیا ہے اور اب صرف کاروبار کرتا ہوں تعلیم چھوڑ چکا ہوں۔

پ:۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟

میں:۔ چاہتا ہوں کہ مجھے انجیل جو کہ میری سمجھ میں نہیں آتی، سمجھا دی جائے۔

پادری صاحب سنبھلے اور کہا کہ آپ تعلیم یافتہ ہیں آپکو سمجھانا ذرا مشکل امر ہے۔ جو لوگ جاہل ہوتے ہیں ان کو تو ہم قصے اور کہانیاں سُناتے ہیں اور اس طرح ان کی سمجھ میں آجاتا ہے۔ یہ کہہ کر پادری صاحب نے انجیل مقدس کی طرف اشارہ کر کے جو کہ میرے ہاتھ میں تھی پوچھا۔ آپ نے اس کو پڑھا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے تقریباً اس کو ختم کیا ہے اور سمجھ کر پڑھا ہے اور اس کو پڑھنے میں قریباً ایک سال صرف کیا ہے۔ پادری صاحب نے متی کی انجیل کا باب ۵ آیت ۱۷ تا ۲۱ پڑھی (حسنِ اتفاق کہ وہیں پر میں نے بھی نشان کیا ہوا تھا) اور اس کی تفصیل سمجھانی شروع کی۔ میں نے عرض کی کہ پہلے میرے دو سوالوں کا جواب دیں بعد میں سب کچھ سمجھنے کے لئے تیار رہوں۔ اجازت پر سوال کیا۔

سوال:۔ بائبل میں دو عہد نامے ہیں۔ ایک پرانا اور ایک نیا۔ پرانے عہد نامہ میں جو کچھ بھی لکھا ہے آپ اس پر ایمان رکھتے ہیں؟

پادری صاحب نے فرمایا کہ یہ موسوی شریعت ہے جو کہ تبدیل نہیں ہوئی۔ جیسا کہ مندرجہ بالا تحریر سے ثابت ہے ہم اس کو صحیح سمجھتے ہیں اور پرانا عہد نامہ تمام ہمارے نصاب میں شامل ہے۔ البتہ مسیح کی شریعت میں اسکو اور سخت کر دیا گیا ہے۔ کوئی لفظ کاٹا یا تبدیل نہیں کیا گیا۔

اس کے بعد عرض کی گئی کہ پہلے بنیادی مسئلہ پر میں بات کروں گا اور سلسلہ وار ان کو لوں گا۔

نمبر ۱۔ گناہ جس کا تعلق آدم اور ابن آدم سے ہے
نمبر ۲۔ مسئلہ نجات اور نمبر ۳۔ مسئلہ تثلیث۔

میں نے عرض کیا کہ گناہ کے متعلق آپ کا اعتقاد ہے کہ آدم نے نافرمانی کی اور اس کی وجہ سے تمام نسل انسانی

یا تمام ابن آدم پیدائشی گناہ گار ہوگئے۔ اور مریم بھی آدم کی اولاد سے تھیں۔ مسیح نے نو ماہ انہیں کے پیٹ میں گزارے۔ یا تو آپ تسلیم کریں کہ ماں کی فطرت کا یا ماں کے خون کا اثر اولاد پر نہیں ہوتا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں اور ترقی تعلیم کے زمانہ میں آپ اس سے متفق نہیں ہوں گے۔ اس پر انہوں نے میری بات کی تائید کی۔

پھر عرض کی گئی کہ آپ نے مسیح کو گناہ سے الگ کیسے کیا؟ اس پر انہوں نے پیدائش باب ۳۔ آیت ۱۵ پڑھنی شروع کی جہاں لکھا ہے کہ "میں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیری نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا"۔ میں نے عرض کی کہ اس کا میرے سوال سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے مجھے کہا کہ اچھا رومیوں کا خط کھولیں۔ اس پر فرشتہ نے کہا ہے۔ میں نے کہا کہ اس پر تو میں جب جاؤنگا آپ مجھے تھوڑی سی عقلی دلیل بھی دیدیں۔

پادری صاحب خاموش ہوگئے۔ پھر فرمانے لگے میں فلاسفر نہیں ہوں۔

میں نے کہا کہ اچھا ذرا اس کا جواب دیدیں کہ حزقیل اور یرمیاہ میں لکھا ہے کہ باپ کی وجہ سے بیٹے کو سزا نہیں دیا۔ اور ساتھ ہی تمثیل بھی موجود ہے۔ دوسری جگہ کتاب استثناء باب ۲۴۔ آیت ۱۶ میں لکھا ہے کہ ہر ایک کو اپنے گناہ کی سزا ملے گی۔

پادری صاحب نے فرمایا کہ یہ پرانا عہدنامہ ہے نئے میں نہیں ہے۔ نیا عہدنامہ مسیح کی شریعت ہے اور پرانا عہدنامہ موسیٰ کے زمانہ کا قانون ہے۔ عرض کی کہ جناب! مذہبی قانون احکام الٰہی ہیں اور یہ قانون اور شریعت تبدیل بھی نہیں ہوا جیسا کہ آپ نے بھی اقرار کیا ہے اور متی کے باب ۵۔ آیت ۱۷ تا ۲۱ سے بھی ظاہر ہے۔ فرمایا کہ مسٹر آپ بہت Deep جا رہے ہیں۔ اگر میں تمہاری باتوں میں آکر اتنا گہرا گیا جہاں آپ لیجانا چاہتے ہیں تو میں پھنس جاؤں گا۔ ہم تو صرف ان لوگوں کو سمجھاتے ہیں جو اتنی گہرائی میں جانا پسند نہ کریں۔ میں اپنی بحث یہیں پہ ختم کرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ جناب مجھے تو بہت سی باتیں معلوم کرنا ہیں۔ فرمایا کہ میں اپنی کمزوری کا اعتراف کرتا ہوں مجھے کیا میرے جیسے اور پادریوں کو بھی اپنے متعلق پوری معلومات نہیں ہیں۔ میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ کسی اور پادری سے ملاقات بھی نہ کریں۔ صرف پادری کے۔ ایل ناصر صاحب اور پادری عبدالحق صاحب سے گفتگو کریں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ عبدالحق صاحب مسلمان تھے اور بہت بڑے عالم ہیں۔ اور اب عیسائی ہو کر اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔ عرض کی کہ آپ بھی مجھے انجیل سمجھا کر اور قائل کر کے عیسائی بنالیں۔ فرمایا کہ تمہیں سمجھانا بس کی بات نہیں اور میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا اور اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں۔ ایک کتاب جو کہ بائبل کی تفسیر ہے دیکر مجھے رخصت کر دیا گیا۔ یہ ہے تحریک عیسائیت جس کو مذہبی نام دیکر اور کہانیاں سنا کر لوگوں کو بے وقوف بنایا جاتا ہے۔ قابل تحریر یہ بھی ہے کہ میں نے پادری ناصر صاحب سے وقت لینے کے لئے تقریباً ایک ماہ قبل گوجرانوالہ خط لکھا تھا۔ مگر تا حال جواب سے محروم ہوں۔

محترم مولوی صاحب! میں چاہتا ہوں کہ میری اس گفتگو کو اپنے پرچہ الفرقان میں جگہ دیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے ❊

مت بھولیں

(۱) دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور درج کیجئے۔

(۲) پرچہ نہ ملنے کی بروقت اطلاع فرمائیں۔

(مینیجر)

تعلق باللہ

(از ناصر احمد صاحب کلرک راولپنڈی)

دنیا میں جس طرح ہر ذی روح کے لئے اپنی جسمانی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے موافق اغذیہ اور مناسب ہوا کی ضرورت ہے اسی طرح روحانی صحت کو بحال رکھنے کے لئے تعلق باللہ کا ہونا اشد ضروری ہے۔ انسانی صحت میں اگر ذرا سا خلل واقع ہو جائے تو انسان اس کے علاج اور صحت یابی کے لئے متعدد ماہرین امراض کے پاس جاتا اور منتیں کرتا ہے اور ہزاروں روپیہ بھی خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ تا صحت یاب ہو جائے۔ اور بالآخر صحت یاب ہونے پر سکون اور اطمینانِ قلب حاصل کرتا ہے۔ جس کی خوشی کا اندازہ وہ خود یا اس کے اقرباء ہی کر سکتے ہیں جن کو اس کی بیماری کے دوران میں انتہائی تشویش اور پریشانی تھی۔

روزمرہ زندگی کے مشاہدہ سے آپ کو خوب تجربہ ہوا ہوگا کہ کسی انسان پر کیا گزرتی ہے۔ جب اسے ایک دن بھی کھانے میں لذت نہ آئے۔ وہ طبیبوں کے پاس جاتا ہے اور ہزاروں خوشامدیں کرتا ہے۔ تا اسے کھانے میں حقیقی لذت حاصل ہو۔

یہ بات قابلِ تعجب ہے کہ ایک مریضِ دل جو دنیاوی اور فانی لذات کے حصول کے لئے تن من دھن کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتا مگر حقیقی اور ابدی راحتوں کی پیاس اور تڑپ اپنے اندر نہیں پاتا۔ حالانکہ ذات لا ینفک نے ابتدائے آفرینش سے ہی انسانی فطرت میں مادی اور روحانی اغذیہ کی پہلو بہ پہلو پرورش کی ہے۔ بچہ سب سے پہلے جو روحانی خاصیت دکھاتا ہے وہ ماں سے پیار اور محبت اور پھر جیسے جیسے اس کا شگوفہ کھلتا جاتا ہے۔ یہ فطرت اور کشش بھی اپنا رنگ روپ نمایاں طور پر دکھاتی چلی جاتی ہے پھر تو وہ بجز اپنی ماں کے کہیں چین نہیں پاتا اور اس کا پورا آرام اسی کے کنارِ عاطفت میں ہوتا ہے ماں سے علیحدہ کر دینے پر اگر اس کے سامنے مال و متاع کے ڈھیر بھی کیوں نہ ڈال دئے جائیں۔ وہ کسی صورت میں بھی سکونِ قلب حاصل نہیں کرے گا۔ دراصل یہی وہ کشش ہے جو کہ بچہ کی فطرت میں تعلق باللہ کی تربیت کو اپنانے کے لئے رکھی گئی ہے۔

مگر بعض فلاسفر اور مخبوط الخیال قیاس آرائیاں کرنیوالے اس ذاتِ کامل کا تصور ایسے رنگ میں کرتے ہیں۔ کہ صراطِ مستقیم سے دور جا پڑتے ہیں۔ جس کی مثال انسانی کلام پاک میں یوں بیان ہوئی۔ کہ دنیا شیش محل کی طرح ہے جس کا فرش صاف اور مصفّٰے شیشوں سے مزین کیا گیا ہے اور اس کے نیچے پانی کو کافی تیزی سے چلایا گیا ہے۔ انسان فرشی شیشوں کو بھی غلط نظری سے پانی سمجھتے ہوئے اس پر چلنے سے یوں ڈرتا ہے جیسے پانی میں چلنے سے ڈرنا چاہیئے۔ حالانکہ یہ شیشے ہیں اور پانی تو نیچے ہے۔ سو اسی طرح بڑے بڑے اجرام فلکی جو مصفّٰے شیشوں کی مانند ہیں، پرستش کے لئے معبود مانے گئے حالانکہ ان کے پیچھے ایک

ذاتِ کامل ہے جو کہ معبودیت کا حقیقی حق رکھتی ہے لازم ہے کہ اس کامل اور جملہ عیوب سے منزّہ ذات کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کی راہ تلاش کی جائے۔ سب سے سہل اور آسان راہ نماز اور دُعا ہے یہی وہ چیزیں ہیں جو عبودیت اور ربوبیت کے رشتہ کو مضبوط سے مضبوط تر کر سکتی ہیں اور حدیث کی رُو سے نماز کو مومن کا معراج کہا گیا ہے۔ پس یہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان کمال حاصل کر کے اپنی زندگی کے حقیقی مقصد کو حاصل کر کے اخروی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ پس رشتۂ عبودیت اور ربوبیت کو قائم کرنے کے بعد اسے مستحکم کرنا ہی مقصدِ حیات ہے۔ خدا تعالےٰ ہم سب کو اسکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ؛

نغمۂ واردات

(جناب مولوی مُصلح الدّین احمد صاحب مرحوم راجیکی)

عشق ہی میرا دین ہے عشق ہی میری ذات ہے
عشق نہ ہو تو یہ جہاں مُردہ سی کائنات ہے

اس کے جہانِ شوق میں اَور بھی تھے نیاز مند
میرے ہی دل کو غم دیا حُسنِ طلب کی بات ہے

دل کی نظر ہی نُور ہے دل کی نظر ہی طُور ہے
دل کی نظر نہ ہو اگر، کعبہ بھی سومنات ہے

گو یہ کبھی کا چُھپ چکا پردے میں حُسنِ لم یزل
دل ہے مگر کہ آج بھی محوِ تجلّیات ہے

عشق و وفا کے ولولے رنج و الم کی داستاں
مصلح تمہاری شاعری نغمۂ واردات ہے

مجلسِ صُوفیاء میں ایک سوال اور اس کا جواب

(از حضرت مولٰنا غلام رسول صاحب راجیکی)

حضرت اقدسؑ کی زندگی میں غالباً ۱۹۰۶ء کی بات ہے کہ موضع لنگہ ضلع گجرات میں ایک جلسہ ہوا جس میں گرد و نواح کے احمدی احباب جمع ہو گئے اور بعض صوفی طبع اور تصوّف سے دلچسپی رکھنے والے بھی جلسہ میں تشریف رکھتے تھے۔ اس جلسہ میں مکرم و محترم جناب میاں میراں بخش صاحب ساکن موضع شیخپور ضلع گجرات بھی موجود تھے۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ مرآۃ العارفین جو تصوّف کی کتاب ہے جس کے متعلق بعض کا خیال ہے کہ وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تصنیف ہے جسے انہوں نے اپنے صاحبزادہ حضرت زین العابدین کے لئے تصنیف فرمایا تھا۔ اس کتابِ تصوّف میں لکھا ہے کہ سارا قرآن کریم سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے اور سورۂ فاتحہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بسم اللہ کی۔ اور بسم اللہ حرفِ "با" کی۔ اور با، حرفِ بار کے نقطہ کی۔ اب یہ بات اگر اپنے اندر کوئی حقیقت رکھتی ہے تو اس حقیقت سے آگاہ ہونے کے لئے کونسا علمی طریق اختیار کیا جا سکتا ہے جس سے اس حقیقت کا علم ہو سکے کہ فی الواقع یہ قول درست ہے اور اپنے اندر کوئی حقیقت رکھتا ہے۔

بعض حضّارِ مجلس نے اِس سوال کو سُن کر فرمایا کہ سوال اپنی نوعیت میں معمولی نہیں بلکہ اس کے جواب کیلئے بہت بڑے علم کی بھی ضرورت ہے اور صرف ظاہری علوم متداولہ جو ظاہری علماء کے کسبی علوم کی تحصیل کی حد ہے وہ اس کے جواب کیلئے کافی نہیں بلکہ روحانی علوم اور تصوّف کے حقائق و معارف اور علمی دقائق و لطائف اور کشفِ اسرار و مخفیات وحلِّ غوامض و مرموزات سے بھی شناسا عالم ایسے سوال کا جواب دینے کیلئے ضروری ہے۔ اس پر بھی لمبی گفتگو کا سلسلہ چلا کہ پھر جواب دے تو کون دے۔ آخر بار بار کے تکرار کے بعد حسبِ کلام ؎ قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند۔ سب نے یہی کہا اور متفق ہو کر کہا اور میری طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس کے جواب میں کچھ آپ ہی بیان کر سکتے ہیں۔ میں نے سب احباب کے کہنے اور خواہش ظاہر کرنے پر یہی عرض کیا کہ سوال بہت بڑی علمی وسعت چاہتا ہے اور پھر قرآنی علوم میں تبحّر بھی ہو اور تصوّف اور روحانی حقائق و دقائق سے بھی آگاہی ہو لیکن میرا دامن اس طرح کے علمی ذخائر کی متاعِ عزیز سے بالکل تہی اور صفر کے تک بھگ ہے۔ ہاں اگر میرے پاس کچھ سرمایہ فہمید ہے تو وہ حضرت اقدس سیدنا المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افاضاتِ روحانیہ کی وہ برکت ہے جو میری استعدادِ فطرت کے حسبِ حال مجھے عطا ہوئی ہے۔ سو اس وقت احباب کی خواہش پر میں اپنی استطاعت اور وسعتِ علم و فہم کے مطابق کچھ عرض کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد جو کچھ میں نے بطور جواب کے عرض کیا اس کا خلاصہ ذیل میں عرض کیا جاتا ہے وباللہ التوفیق۔

اِس سوال پیش کردہ کا ایک حصہ تو اکثر مفسّرین نے پیش کیا ہے کہ قرآن کریم میں جو کچھ مفصّل طور پر پایا جاتا ہے وہ سب کچھ سورۂ فاتحہ میں مجمل طور پر موجود ہے اور جیسا کہ حضرت

علی مہائمی نے بھی اپنی تفسیر تبصیر الرحمان میں تحریر فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتیں بمع سورۂ فاتحہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی آیت کے مختلف مطالب اور متفرق حقائق پر مشتمل تفسیریں ہی ہیں۔ اور سیدنا حضرت المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفسیریں جو سورۂ فاتحہ کے متعلق حضور اقدس کے قلم سے تحریر میں آئی ہیں ان میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم کے مطالب جو مختلف سورتوں میں مذکور ہیں وہ سب کے سب اجمالاً سورۂ فاتحہ میں موجود ہیں۔ اور ترتیب طبعی کے لحاظ سے سلسلۂ بیان کو وحدت سے کثرت کی طرف اور اجمال کو تفصیل کی طرف لانا زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ صفاتِ الٰہیہ کی تجلیات بھی وحدت سے کثرت کی طرف پھیلی ہوئی ہیں اور نظامِ عالم میں بھی وحدت سے کثرت کیطرف کے نمونے نمایاں نظر آتے ہیں اور نباتات اور حیوانات اور انسان سے لیکر ہر ایک نوع وحدت سے ہی کثرت کی طرف پھیلی ہے۔ اور علاوہ نوع کے افراد میں بھی وحدت الی الکثرۃ کا نمونہ پایا جاتا ہے۔ درختوں ہی کو دیکھ لو ہر ایک درخت جس پہ ہزاروں پتے اور پھول اور پھل نظر آتے ہیں ان کی کثرت بیج کی وحدت سے شروع ہوئی اور جڑ جو درخت کیلئے بطور اصل کے پائی جاتی ہے۔ اس میں وحدت کا نمونہ قائم پایا جاتا ہے۔ بلکہ درخت کے تنہ کا حصہ جس سے سب شاخیں پھوٹی ہوئی نظر آتی ہیں ان کی کثرت اس تنہ کی وحدت سے ہی کثرت کی طرف پھیلی ہوئی ہے۔ تو اگرچہ بیج بطور اصل الاصول کے وحدت کا ابتدائی نقطہ ہے لیکن درخت کی جڑ اور اس کا تنہ بھی اس بیج کی نیابت میں وحدت نما ہی ہے۔ اس مثال سے نمایاں ہے کہ نظامِ عالم اپنی ہر نوع میں وحدت ہی سے کثرت کی طرف پھیلا ہے اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے وحدت الی الکثرۃ کے نمونے ظاہر کرنا عارف نگاہوں کے لئے ہر طرف درس توحید ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ وحدت کا جلوہ دکھایا ہے۔ اور اس کا نمونہ اگر رسم الخط کے فنِ کتابت میں دیکھنا چاہیں تو رسم الخط کے سلسلہ میں بھی وحدت الی الکثرۃ کی مثال ملتی ہے۔ مثلاً جو حرف بھی تحریر میں لایا جاتا ہے جب قلم اسے لکھنے لگتی ہے تو پہلی چیز جو اس سے صادر ہوتی ہے وہ بطور نقطہ ہی ہوتی ہے اور ہر حرف کو بھی نقطوں ہی سے مرکب قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ الف کا حرف جس کی شکل بطور رسم الخط یوں ہے (ا) الف کی یہ شکل بھی تین نقطوں سے مرکب قرار دی گئی ہے چنانچہ کتاب رسم الخط جس میں حروف کو نقطوں کا مجموعہ بلحاظ ترکیب کے ظاہر کیا گیا ہے اس میں ہر حرف کو مختلف نقاط کا مجموعہ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً ا کو تین نقطوں سے مرکب۔ اور ب، ت، ث کو سات سات نقطوں سے مرکب۔ اسی طرح سب حروف کو مختلف تعداد کے نقاط کی ترکیب میں دکھایا گیا ہے۔ اور نقطہ اپنے اندر وحدت کا نمونہ رکھتا ہے اور نقطۂ وحدت سے حروف، الفاظ اور فقرات اور سطور کی کتابت میں رونما ہونا وحدت الی الکثرۃ ہی ہے اور وحدت کا مرتبہ جہاں بھی پایا جاتا ہے نقطہ کی مثال اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور نقطہ گویا بیج کی طرح ہے جو غیب الغیب اور باطن در باطن کی حیثیت میں سرّ الاسرار کا حکم رکھتا ہے اور وحدت سے کثرت کی طرف پھیلنے میں وہی نقطہ اور بیج نور الانوار کا حکم رکھتا ہے۔

اور حدیث قدسی کُنتُ کنزاً مخفیاً فاحببتُ ان اعرفَ فخلقتُ الخلق اور کُنتُ کنزاً مخفیاً فاحببتُ ان اعرفَ فخلقتُ آدم کی رُو سے مطلق مرتبۂ وحدت ہے جو ھو اللہ احد کی ضمیر غائب کے معنوں میں ہُویتِ مطلقہ پر دلالت کرتی ہے اور ہُویتِ مطلقہ اور نقطہ اور درخت کا بیج اور کُنتُ کنزاً مخفیاً اور سرّ الاسرار یہ سب اپنی کیفیات کے لحاظ

سے متشابہ ہیں۔ اور کثرت کا منظر جو نظام عالم میں مشہود ہے جب اس کے ابتدا کی طرف تفکر کو پھیرا جائے تو ابتدا میں وحدت ہی پائی جائے گی۔ اور پھر کثرت کا سلسلہ ابتدا میں ہی ختم ہوگا۔ اور یہی بات سلسلۂ اعداد میں نظر آتی ہے جو اکائی سے شروع ہو کر پھر دہائی پھر سینکڑہ پھر ہزار پھر لاکھ پھر کروڑ پھر ارب پھر کھرب پھر نیل پھر پدم تک پھر پدم کے بعد لا نعد ولا تحصی کے غیر محدود سمندر میں بے حد و نہایت اور غیر متناہی وسعت میں جا شامل ہوتا ہے۔ اور وہ سلسلہ جو اکائی کی وحدت سے شروع ہوا تھا وہ اکائی سے کثرت کی طرف پھیلتا پھیلتا کثرت کی اس تعداد تک اور اس حد تک جا پہنچتا ہے جہاں انسان کی عقل اور علم کی محدودیت اس کی تحدید سے ہزاروں لاکھوں درجوں سے بھی زیادہ قاصر رہ جاتی ہے۔ جہاں انسانی عقل و علم کی قاصر محدودیت نے اپنے نقص کے لحاظ سے بے حد اور غیر محدود اور بے شمار اور غیر متناہی کے الفاظ وضع کرنے میں اپنی مجبوری کا اظہار کیا لیکن اگر غور کیا جائے تو ہر کثرت کا ہر فرد وحدت نما ہی معلوم ہوتا ہے۔ گویا یوں کہنا بھی بالکل مناسب ہوگا کہ کثرت میں وحدت ہی جلوہ گر ہو رہی ہے۔ اور اس کی مثال سلسلۂ اعداد میں بھی نمایاں ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اگرچہ اکائی کی صورت میں وحدت کی نمایاں شان پائی جاتی ہے اور دہائی اور سینکڑہ وغیرہ میں بصورتِ کثرت وحدت کا خیال کثرت کے اندر عقلی ادراک کے لحاظ سے مشتبہ ہونے سے کچھ خفا کے ساتھ محسوس ہوتا ہے لیکن جب بنظرِ غور توجہ کی جائے تو پھر وحدت ہی وحدت محسوس ہونے لگتی ہے۔ مثلاً جب ہم ایک کہتے ہیں تو ایک کہنے سے وحدت کا نمایاں ادراک محسوس ہوتا ہے۔ لیکن جب دو کہتے ہیں یا تین کہتے ہیں یا چار کہتے ہیں تو دو، تین یا چار ہیں کیا؟ اسی اکائی کو ہم دہراتے نہیں چلے جاتے؟ یعنی جب دو کہتے ہیں تو وہ دو اکائیاں ہی ہیں اور جب تین کہتے ہیں تو تین کیا ہیں؟ وہ تین اکائیاں ہی ہیں۔ اور جب چار کہتے ہیں تو چار کیا ہیں؟ وہ چار اکائیاں ہی ہیں۔ اور جہاں تک اعداد کا سلسلہ پھیلتا چلا جاتا ہے وہ دراصل اکائی کا ہی تکرار ہوتا ہے اور وحدت ہی کثرت میں پھیلتی چلی جاتی ہے۔ اور باریک نظر سے دیکھا جائے تو جس طرح دانہ سب درخت میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے اور درخت کی کثرت جو شاخوں، ٹہنیوں، پھولوں اور پھلوں میں نظر آتی ہے سب کے اندر دانہ کی وحدت ہی جلوہ نما ہو رہی ہے۔ اور وحدت کا کثرت کی طرف رونما ہونا بھی جلوۂ وحدت نمائی ہے۔ اور کثرت کا وحدت کی طرف رجوع بھی بلحاظ مبدأ کے وحدت ہی کی حقیقت کا اظہار ہے۔ (باقی باقی)

مکتبۃ الفرقان

اس مکتبہ کی کتابوں کی فہرست گاہے گاہے رسالہ میں چھپتی رہتی ہے۔ باقی اس مکتبہ کے ذریعہ ربوہ کی جملہ مطبوعات بھی مہیا کی جاتی ہیں۔ اس مکتبہ کے ذریعہ سے آپ اگر کتابیں خریدینگے تو ایک رنگ میں رسالہ کو بھی فائدہ پہنچائینگے اسلئے درخواست ہے کہ اپنی کتابی ضرورتوں کو اس مکتبہ کے ذریعہ سے پورا فرمائیں۔

مینیجر مکتبۃ الفرقان ربوہ

چند گھنٹے قادیان میں

(جناب علامہ نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار لکھنؤ کے قلم سے)

۲۸-۲۹ جولائی کی وہ چند ساعتیں جو میں نے قادیان میں بسر کیں، میری زندگی کی وہ گھڑیاں تھیں جن کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

حیاتِ انسانی کا ہر لمحہ زندگی کا ایک نیا درس، ایک نیا تجربہ اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اگر زندگی نام صرف سانس کی آمد و شد کا نہیں بلکہ آنکھ کھول کر دیکھنے اور سمجھنے کا بھی ہے ــــ اور ــــ ان چند ساعتوں میں جو کچھ میں نے وہیں دیکھا وہ میری زندگی کا اتنا دلچسپ تجربہ تھا کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں ۵۰ سال پیچھے ہٹ کر وہی زندگی شروع کرتا جو قادیان کی احمدی جماعت میں مجھے نظر آئی۔ لیکن

حیف صد حیف کہ نادیدہ بخبر دار شدیم

میں انفرادی حیثیت سے ہمیشہ بے عمل انسان رہا ہوں، لیکن مسائلِ حیات کو (جن میں مذہب بھی شامل ہے) میں ہمیشہ اجتماعی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں اور یہ نقطۂ نظر میرے ذہن میں حرکت و عمل کے سوا کچھ نہیں ــــ پھر یہ داستان بہت طویل ہے کہ پچھلی نصف صدی میں کتنی خانقاہیں، کتنے خانوادے، کتنے ادارے، کتنی درسگاہیں اور کتنے جلوہائے منبر و محراب میری نگاہ سے گزرے، اور میں کس طرح ان سے بے نیازانہ گزر گیا۔ لیکن اب زندگی میں سب سے پہلی مرتبہ احمدی جماعت کی جیتی جاگتی تنظیم عمل دیکھ کر میں ایک جگہ ٹھٹک کر رہ گیا ہوں اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی زندگی کے اس نئے تجربہ و احساس کو کن الفاظ میں ظاہر کروں۔

میں مسلمانوں کی ذلیل حالی اور علماء اسلام کی بے عملی کی طرف سے اس قدر مایوس ہو چکا ہوں کہ میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ان میں کبھی آثارِ حیات پیدا ہو سکتے ہیں لیکن اب احمدی جماعت کی جیتی جاگتی تنظیم عمل کو دیکھ کر کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے گویا

غنچۂ پھر لگا کھلنے، آج ہم نے اپنا دل
خون کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا

کیونکہ عالم اسلامی میں آج یہی ایک ادارہ ایسا ہے جو

دعوتِ برگ و نوا نے کند

اور اسلام کا مفہوم میرے ذہن میں "دعوتِ برگ و نوا" کے سوا اور کچھ نہیں۔

لوگ منزل تک پہنچنے کے لئے راہیں ڈھونڈھتے ہیں، برسوں سرگرداں رہتے ہیں اور ان میں صرف چند ہی ایسے ہوتے ہیں جو منزل کو پا لیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہیں میں سے ایک مرزا غلام احمدؑ قادیانی بھی تھے۔ سو اب یہ فکر و جستجو کہ وہ کن راہوں سے گزر کر منزل تک پہنچے بالکل بے سود ہے۔ اصل چیز راہ پیمائی نہیں بلکہ منزل تک پہنچ جانا ہے۔ اور اگر میں احمدی جماعت کو پسند کرتا ہوں تو صرف اسی لئے کہ اس نے اپنی منزل پا لی ہے اور یہ منزل وہی ہے جس کی بانیٔ اسلامؐ نے نشاندہی کی تھی۔ اس سے ہٹ کر میں اور کچھ نہیں سوچتا اور نہ سوچنے کی ضرورت۔

میرا قادیان آنا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی یعنی جس کی عملی زندگی کا ذکر میں سنتا چلا آ رہا تھا اسے آنکھوں سے بھی دیکھنا چاہتا تھا۔

ہر چند میں بہت کم وقت لے کر یہاں آیا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ نتیجہ تک پہنچنے کے لئے یہ قلیل فرصت بھی کم نہ تھی۔ کیونکہ اس جماعت کی زندگی ایک ایسا کھلا ہوا صحیفۂ حیات ہے جس کے مطالعہ کے لئے نہ زیادہ وقت کی ضرورت ہے نہ کسی چون و چرا کی۔ اسی طرح ان کی دفتری تنظیم بھی گویا ایک شفاف آئینہ ہے جس میں زنگ کا نام تک نہیں۔ یکسر خلوص و اخلاق، یکسر حرکت و عمل۔

قادیان میں احمدی جماعت کے افراد جو "درویشانِ قادیان" کہلاتے ہیں، دو سَو سے زیادہ نہیں، جو قصبہ کے ایک گوشہ میں نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اور ان کو دیکھ کر کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے گویا

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری، انجمنے ساختہ اند

یہی وہ مختصر سی جماعت ہے جس نے ۱۹۴۷ء کے خونیں دَور میں اپنے آپ کو ذبح و قتل کے لئے پیش کر دیا اور اپنے ہادی و مرشد کے مسقط الرأس کو ایک لمحہ کے لئے چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا؟

یہی وہ جماعت ہے جس نے محض اخلاق سے ہزاروں دشمنوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور اُن سے بھی قادیان کو "دار الامان" تسلیم کرا لیا۔ یہی وہ جماعت ہے جو ہندوستان کے تمام احمدی اداروں کا سر رشتۂ تنظیم اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے اور یہی وہ دُور افتادہ مقام ہے جہاں سے تمام اکنافِ ہند میں اسلام و انسانیت کی عظیم خدمت انجام دی جا رہی ہے۔

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ صرف پچھلے تین سال کے عرصہ میں انہوں نے تعلیم اسلامی، سیرت نبوی، ضرورتِ مذہب، خصوصیاتِ قرآن وغیرہ متعدد مباحث پر ۴۳ کتابیں ہندی، اُردو، انگریزی اور گورمکھی زبان میں شائع کیں، اور ان کی ۴۴۰۵۰۰ کاپیاں تقریباً مفت تقسیم کیں۔

اسی طرح تعلیمی وظائف ہیں جن میں مُسلم و غیر مُسلم طلبہ دونوں برابر کے شریک ہیں۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء میں اس جماعت نے ۲۱ ہزار روپیہ صرف کیا۔ خود قادیان میں ان کے تین مدرسے قائم ہیں۔ دو مڈل اسکول لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے اور تیسرا مولوی فاضل کے نصاب تک۔ ان کے علاوہ تیرہ مدرسے ان کے ہندوستان کے مختلف مقامات میں ہیں جن پر جماعت کا ہزاروں روپیہ صرف ہو رہا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک اور بڑی خدمت جو صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہے وہ قادیان کا شفاخانہ ہے۔ اس میں ۱۹۴۸ء سے اس وقت تک ۲۴۶۳۰۰۰ مریضوں کا علاج کیا گیا جن میں ۳۰ فی صدی مسلمان اور ۷۰ فیصدی غیر مسلم تھے۔

یہ ہیں وہ چند خدمات جماعتِ احمدیہ قادیان کی جن سے متاثر ہو کر ۱۹۴۸ء سے لے کر اس وقت تک قریب قریب ڈیڑھ لاکھ آدمیوں نے یہاں کے حالات کا مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارا کی۔

یہاں میں نے کالج اور دار الاقامہ کی ان عظیم الشان عمارتوں کو بھی دیکھا جنہیں بانئ تحریک احمدیت نے بڑے اہتمام سے طیار کرایا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد ان پر جائداد متروکہ کی حیثیت سے حکومت نے قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن اب یہ عمارتیں جماعت احمدیہ کے

حق میں واگزاشت کر دی گئی ہیں۔

جس وقت میں نے حضرت میرزا صاحب کے بیت الفکر، بیت الدعا، بیت الریاضت، مسجد نور، مسجد اقصیٰ اور منارۃ المسیح کو دیکھا تو ان کی وہ تمام خدمات سامنے آ گئیں جو تحفظ اسلام کے سلسلہ میں ایک غیر منقطع جد و جہد کے ساتھ ہزاروں مصائب جھیل کر انہوں نے انجام دی تھیں اور جن کے فیوض اس وقت بھی دنیا کے دور دراز گوشوں میں جاری ہیں۔

جس وقت میں قادیان پہنچا اتفاق سے ایک جرمن احمدی ولیم ناصر بھی یہاں مقیم تھے۔ یہ ایک درویش صفت انسان ہیں جو مہینوں سے احمدیہ جماعت کے مختلف مرکزوں اور اداروں کے سیاحانہ مطالعہ میں مصروف ہیں۔ میں ان کو دیکھتا تھا اور حیرت کرتا تھا کہ جرمنی ایسے سرد ملک کا باشندہ ہندوستان کی شدید گرمی کو کس طرح خوش دلی سے برداشت کر رہا ہے۔ لیکن جب میں نے ان سے گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ ان کو شدائد کا احساس تک نہیں، سچ ہے۔

عشق ہر جا می برد ما را بہ ساماں می برد

میں نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے عیسوی مذہب چھوڑ کر اسلام کیوں قبول کیا؟ تو اس کا سبب انہوں نے "اسلام کی بلند اخلاقی تعلیم" ظاہر کیا جس کا علم انہیں سب سے پہلے جرمنی کی جماعت احمدیہ کو دیکھ کر ہوا تھا۔ یہ بلاد **مغرب** و افریقہ میں جس جوش و انہماک کے ساتھ خدمت اسلام میں مصروف ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن پاک کے تراجم حد درجہ سلیقہ و اہتمام کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ چنانچہ انگریزی، جرمنی، ڈچ اور سواحیلی زبان کے ترجمے خود میں نے بھی دیکھے اور ان کے اس عزم و ولولہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

میں نے یہاں سے رخصت ہوتے وقت اس قطعۂ زمین کو بھی دیکھا جہاں حضرت میرزا غلام احمد صاحب آسودۂ خواب ہیں اور ان کی وہ تمام مجاہدانہ زندگی سامنے آ گئی جس کی کوئی دوسری نظیر مجھے اس دور میں تو کہیں نظر نہیں آتی۔

کیست کز کوشش فرہاد نشاں یاد دہد
مگر آں نقش کہ از تیشہ بخارا ماند

(رسالہ نگار لکھنؤ بابت ماہ ستمبر ۱۹۶۰ء)

ایک طالب علم کی قابل تقلید مثال

رسالہ الفرقان کی توسیع اشاعت کیلئے احباب میں قابل صد شکر یہ جذبہ پایا جاتا ہے اور بہت سے احباب ہر رنگ میں ہماری مدد کرتے رہتے ہیں۔ اسی تعاون سے رسالہ چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزا بخشے۔ آمین ——— آج میں اس بارے میں ایک قابل تقلید مثال اپنے ایک عزیز طالب علم کی پیش کرتا ہوں۔ سانگلہ ہل کے مخلص گھرانے کے ایک نوجوان چودھری محمد داؤد احمد صاحب آجکل ہمارے کالج تعلیم الاسلام کے تھرڈ ایر میں تعلیم پاتے ہیں۔ انہوں نے سال سے اندر عرصہ سے التزام کر رکھا ہے کہ اپنے خرچ میں سے رقم بچا کر ہر ماہ ایک رسالہ بغرض تبلیغ کسی علم دوست غیر احمدی کے نام جاری کرا دیتے ہیں اور پھر مزید خوبی یہ ہے کہ اس نوجوان میں نمود و نمائش کا کوئی جذبہ نظر نہیں آتا۔ اسکے اس نیک عمل کا اثر یہ ہے کہ اسکے ایک اور ساتھی نے دفتر الفرقان میں کہا کہ میں بھی آئندہ داؤد احمد کی طرح کیا کرونگا۔ میں یہ سطور اپنے قلبی تاثر کے طور پر عزیز محمد داؤد احمد صاحب کے نیک جذبہ کی تعریف اور تحریک دعا کے طور پر شائع کرتا ہوں۔ احباب بھی دعا فرمائیں کہ اسے مزید نیکیوں کی توفیق ملے اور وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اسلام کا ایک کامیاب سپاہی بنے۔ آمین

ابو العطاء

بھارت سے ایک درد بھری آواز

احمدیہ پریس کے متعلق جماعت کی ذمّہ واری

(از جناب محمد کریم اللہ صاحب ایڈیٹر "آزاد نوجوان" مدراس)

بخدمت شریف مولانا مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری
مدیر "الفرقان" ربوہ

مکرمی و محترمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

الفرقان کے اگلے دو تین شمارے پڑھ کر میں خود بھی آپ کو لکھنے ہی والا تھا کہ آج ابھی ابھی آپ کا ایک والا نامہ مورخہ $\frac{9}{9}$ ۲۰ مل گیا۔ جزاکم اللہ!

الفرقان کے مضامین نہ صرف معیاری ہوتے ہیں بلکہ تحقیقاتی اور معلوماتی بھی۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ ضرورت ہے کہ اس بیش رسالہ کی ہمارے ملک میں بھی اچھی خاصی اشاعت ہو۔ بڑی بدقسمتی احمدیہ پریس کی یہ ہے کہ اس کی اہمیت سے ابھی تک جماعت ناواقف ہے۔ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ احساس ابھی تک ہماری جماعت میں اپنے پریس سے متعلق پیدا نہیں ہوا' جو ہونا چاہیئے۔ یہ محض خدا تعالےٰ کا فضل ہے کہ ہمارے اخبارات اور رسالے چلتے چلے جا رہے ہیں' ورنہ ہمارا پریس ویسا مضبوط نہیں ہے جیسے اس کو ہونا چاہیئے۔

جو مواد ہمارے اخبارات اور رسالوں میں شائع ہوتا ہے اگر اس کو ایسے GET-UP اور PRESENTATION کے لحاظ سے طباعت کے جدید سانچوں میں ڈھال دیا گیا' تو یقین جانئے ہماری تبلیغی مساعی کو چار چاند لگ جائیں گے۔ یہ طریق اتنا آسان نہیں جیسے کہ میری تحریر سے نظر آتا ہے۔ اس کیلئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہماری جماعت کے ہر فرد میں پریس کی ضرورت اور اس کی اہمیت کا احساس پیدا ہو۔ یہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے' اور حق یہ ہے کہ کوئی نظریۂ حیات خواہ وہ دنیوی ہو یا دینی' اسوقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک احباب میں پوری پوری ذمہ داری نہیں ہوتی لہذا پھر اس ذمہ داری کا احساس پیدا نہیں ہو جاتا۔ اس کے معنے ہرگز یہ نہیں کہ جماعت میں ایسی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارے اندر اپنی ذمہ داری کے ساتھ اس کا مزید احساس بھی ضروری ہے۔

میرا کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ کم از کم کوئی سو یا دو سو "الفرقان" کی کاپیاں یہاں اپنے زیرِ تبلیغ احباب اور مسلم اخبارات' لیڈران اور اداروں کے نام جاری کروں' لیکن اتنی ہمت مجھ جیسے غربت کے ماروں میں اب کہاں؟ پھر بھی میرا اپنا "الفرقان" میرے اپنے مطالعہ کے بعد اور بھی دوستوں کے زیرِ مطالعہ آ ہی جاتا ہے اور اخبار نوجوان کے ذریعہ بھی اس کے کئی مضامین اوروں تک پہنچ جاتے ہیں۔

آج کل بہائی تحریک پر جو تنقیدی مقالے شائع ہو رہے ہیں ان سے یقیناً غیر احمدی احباب کو یہ علم ہو ہی جائے گا۔ کہ قرآنی عظمت کے لئے کس قدر غیرت احمدیوں میں

[illegible]

پائی جاتی ہے لیکن افسوس کہ ہمارے دائرے محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔

تجربہ نے مجھے یہی بتایا ہے کہ ایک مبلغ وہ کام نہیں کرسکتا جو کام ایک اخبار کر جاتا ہے لیکن بدقسمتی ہے کہ ایسے ذریعہ تبلیغ کا ہمارے پاس کوئی احسن انتظام نہیں ہے۔

- ایک مبلغ وہاں نہیں پہنچ سکتا جہاں اخبار پہنچ جاتا ہے۔
- ایک مبلغ کی جہاں کوئی سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا وہاں اخبار بہت کچھ سنا جاتا ہے۔

اس کے ہرگز یہ معنے نہیں کہ مبلغین کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کے معنے صرف اس قدر ہیں کہ جو کام اخبارات آج کی دنیا میں کر رہے ہیں وہ بڑے بڑے مبلغین اور سفیر نہیں کر رہے۔ اور نہ ہی کر سکتے ہیں۔ دنیا بھر کے مشن اور سفارت خانے آج اس ضرورت کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ ان مشنوں اور سفارت خانوں کی دنیا بھر میں دھوم ہے جن کے اخبارات یا رسالے شائع ہوتے ہیں۔

اگر کمیونزم کی دنیا میں غیر معمولی ترقی ہوئی ہے تو میرا مشاہدہ اور تجربہ یہی کہتا ہے کہ اس کے لٹریچر اور اس کے اخبارات اور رسالوں نے اس کو آگے نکال دیا ہے۔ کمیونسٹ اپنے طریقہ کار میں بالکل مخفی ضرور رہا اور ان کی سرگرمی یقیناً زیرِ زمین کارروائی سے تعبیر کی جا سکتی ہے۔ اور ان کی ہلچل پر یقیناً ایک آہنی پردہ پڑا ہوا ہے لیکن ان کے اخبارات، رسالے اور لٹریچر دنیا میں اس قدر پھیل گیا ہے کہ مجھ جیسا مخالف بھی کبھی کبھی ایک نظر دیکھ ہی لیتا ہے اور ان کے چند سیاسی شوشوں کا ان کے مخالفین پر بھی کبھی کبھی ایسا اثر ہوتا ہے کہ اگر کسی میں ایک دینی جذبہ غالب نہ ہو تو وہ یقیناً انکے گن گا سکتا ہے۔

اگر ایک خالص مادی تحریک اپنے تحریری زور سے اس قدر ترقی کرسکتی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایک خالص دینی تحریک کے تحریری زور والا دائرہ محدود ہی رہے۔

اگر ہم ذرا غور کریں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ اخبارات کی بڑی اہمیت ہے اور اپنے موجودہ دور میں ہم ان سے لاپرواہی برت کر ترقی نہیں کرسکتے۔ ترقی تو ہماری یقینی ہے —— لیکن فوری ہونی چاہیئے۔

نہیں معلوم کہ ان خیالات کا آپ کہاں تک خیر مقدم فرمائیں گے لیکن بات جو میں نے کہی ہے وہ سو فیصدی سچی اور سچی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا **سلطان القلم** والا اعلان اپنے اندر ہر احمدی کے لئے ایک سبق رکھتا ہے۔ بھلا ایک مامور من اللہ کو کیا پڑی تھی کہ وہ اپنے تمام دعووں کے ساتھ ایک یہ بھی دعویٰ کرتا؟ یہ دعویٰ حضور کا خود اپنا دعویٰ نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ کا مامور ہر دعویٰ بحکم الٰہی کرتا ہے۔ سو خدا تعالیٰ نے جو علیم و خبیر ہے یہ جانتا تھا کہ جس دور میں اس کے موعود کو ظاہر ہونا ہے وہ ایک خالص علمی اور تحریری دور ہوگا —— اور زمانہ نے دیکھا کہ کس شان و خوبی سے اور کہاں کہاں اور کیسے کیسے پھیل گیا۔ یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کے مامور کی آواز صور اسرافیل سے کچھ کم نہیں ہوتی —— لیکن جو ہتھیار حضور کو نصیب ہوا یا کھلا ہوا وہ حضور کا اپنا جادو بھرا حکمت الٰہی سے آراستہ روحانی زور و شور والا انقلابی قلم تھا جس کے ذریعہ آپ کی آواز بلند ہوئی اور دنیا بھر میں گونج اٹھی۔

کیا اس حقیقت کو سمجھتے ہوئے ہم اتنی بڑی نعمت کو نظر انداز کر سکتے ہیں؟ کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ ہمارا پریس آج کمزور ہے، آج اس کی وہ شان و شوکت وہ صورت و [illegible] نہیں جو ہونی چاہیئے؟ اور یہ کہ اس کا دائرہ تبلیغ اتنا وسیع نہیں جتنا ہونا چاہیئے کیا کہوں [illegible]

عیسائیوں کے "اخلاق" کا مظاہرہ

(از جناب مولوی نصیر احمد صاحب ناصر مولوی فاضل مربی سلسلہ احمدیہ)

آجکل سیالکوٹ میں ایک عیسائی منادکننگ صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں۔ مجھے ماسٹر برکت اے خان صاحب کی طرف سے اس مجلس میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ نیز انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ آپ اپنے ساتھ تقریر سننے کے لئے احمدی دوستوں کو بھی لائیں۔ ۲۴ ۹/۶۴ کو ۵ بجے سے لیکر ۶ بجے تک انہوں نے پرائیویٹ تبادلۂ خیالات کے لئے وقت بھی دیا تھا۔ ۲۳ ۹/۶۴ کو جمعہ کے روز دوبارہ ماسٹر صاحب مسجد میں آئے اور انہوں نے میٹنگ میں شمولیت کی دعوت دی۔

ان کی دعوت پر حسب پروگرام خاکسار مع چند نوجوانوں کے ان کے گرجا میں پہنچا۔ ماسٹر صاحب نے ہمیں گرجا میں بلاکر سامعین میں بیٹھنے کے لئے جگہ دی اور بعض مسلمان سامعین سے میرا تعارف بھی کرایا۔

اس میٹنگ میں عیسائیوں نے مسلمانوں میں لٹریچر بھی تقسیم کیا تھا۔ میرے پاس بھی بغرض تقسیم عیسائیت کے متعلق لٹریچر موجود تھا۔ ماسٹر صاحب کی اجازت سے اور انہیں اطلاع دے کر ہم نے بھی لٹریچر تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ اور وعدہ کے مطابق کہ لٹریچر صرف انکو دیا جائے جو بخوشی لینے کے لئے تیار ہوں ہم نے نہایت خاموشی کے ساتھ مطالبہ کرنے والوں کو پمفلٹ وغیرہ دیئے لیکن افسوس کہ عیسائی نوجوانوں نے گرجا میں ہنگامہ برپا کر دیا اور ہمارے ایک نوجوان محمد الیاس صاحب کو مارنا شروع کر دیا۔ اس ہنگامہ کے بعد ہم گرجا سے باہر چلے گئے۔ گرجا مذکورہ کے انچارج اور تین چار اور پادری صاحبان نے شمولیت ماسٹر برکت صاحب ہم سے تلخ کلامی شروع کر دی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو نہیں بلایا۔ ماسٹر برکت کوئی ذمہ وار شخص نہیں۔ اور نہ ہی اس کی کوئی حیثیت ہمارے نزدیک ہے۔ ایک صاحب نے تو یہاں تک کہا کہ "ماسٹر برکت کیا ہے وہ تو ایک چوہڑا ہے۔" چنانچہ دھکے مار کر اس کو بھی انہوں نے باہر نکال دیا۔

میں نے ان کو کہا کہ جب ماسٹر صاحب ہماری مسجدوں میں لٹریچر تقسیم کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اور بارہا وہ ربوہ میں بھی گئے ہیں۔ اور آج بھی تم نے مسلمانوں کو بلا کر عیسائیت کے حق میں لٹریچر دیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہمارے شائع کردہ لٹریچر کو تقسیم کرنے میں آپ لوگوں نے اس قسم کی بداخلاقی کا مظاہرہ کیا ہے ؟

پھر ان پادریوں کی موجودگی میں یہی سوالات میں نے ماسٹر برکت صاحب سے کئے۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ آپ لوگوں کا سلوک ہمارے ساتھ اچھا رہا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ عیسائیوں میں جب آپ کی کوئی وقعت نہیں ہے تو آپ نے ذمہ داری کہ ہمیں کیوں بلایا تھا۔ اس کے بعد ان کے انچارج گرجا نے کہا کہ آپ لوگوں کو ہم شمولیت کی اجازت نہیں دے سکتے۔ چنانچہ ہم واپس آگئے۔

الفرقان :- پادری صاحبان کا یہ رویہ سخت تعجب کے قابل ہے کہ گھر پر بلا کر لوگوں سے یہ سلوک کیا جائے۔ کہنے اور کرنے میں بڑا فرق معلوم ہوتا ہے۔ کیا ایسے اخلاق کی صورت میں پادری صاحبان حقیقی تبلیغ کر سکتے ہیں ؟ ہرگز نہیں ٭

میری بیٹی عزیزہ امۃ اللہ خورشید مدیرہ مصباح کا افسوسناک انتقال

میری نہایت پیاری بچی عزیزہ امۃ اللہ بیگم مورخہ ۲۶ ستمبر کو سوا دس بجے شب ہمیں افسردہ و رنجور چھوڑ کر اپنے رب کے پاس چلی گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

ع بلانے والا ہے سب سے پیارا ۔ اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

آج اس سانحہ پر دو ہفتے بیت چکے ہیں۔ بلا مبالغہ ہزاروں محبت کرنے والے بھائیوں اور بہنوں نے، افراد نے اور جماعتوں نے اپنے پُر خلوص تعزیت ناموں، تاروں، خطوط، قرار دادوں اور ملاقاتوں کے ذریعہ اس صدمہ میں شرکت فرما کر کافی حد تک دل کے بوجھ کو ہلکا کیا ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے اور احباب اپنے پُر محبت پیغامات سے حق اخوت کو ادا کر رہے ہیں۔ میں تہ دل سے ان سب کا ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب بھائیوں اور بہنوں کو ہر صدمہ اور آفت سے محفوظ رکھے اور ان سب پر اپنے فضلوں کی بارش برساتا رہے۔ آمین یا رب العالمین۔

ان حوصلہ آفریں حالات کے باوجود اور اس علم کے باوجود کہ ہر پیدا ہونیوالا بہرحال فانی ہے۔ حیّ و قیّوم صرف ہمارے حقیقی آقا و خالق رب العالمین کی ذات ہے۔ پھر صبر و برداشت کی فضیلت کے جاننے کے باوجود ابھی تک طبیعت پر ایک بوجھ ہے۔ اور بقول حضرت خنساء رضؓ ؎

يُذَكِّرُنِي طُلُوعُ الشَّمْسِ صَخْرًا ۔ وَأَذْكُرُهُ لِكُلِّ غُرُوبِ شَمْسٍ

یہ حال ہے کہ عزیزہ امۃ اللہ بیگم کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ زندگی کے ہر موڑ پر اس کا تصور سامنے آ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے ہمیشہ اپنے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو مدنظر رکھا ہے مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثَى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا يَعْنِي الذُّكُورَ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ (ابوداؤد) کہ جسکے ہاں بچی یا بچیاں ہوں وہ اسے زندہ رکھے، با عزت رکھے اور لڑکوں کو اس پر ترجیح نہ دے بلکہ لڑکوں اور لڑکیوں سے یکساں سلوک کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریگا۔ اس ارشاد نبویؐ کے مطابق میری زندگی گزری ہے اور میں نے جب کبھی خلوت میں اپنے اعمال کا جائزہ لیا ہے تو ان میں بس اسی ایک جذبہ کو بارگاہِ رب العزت میں پیش کرنے کے قابل سمجھا ہے۔ یہ ایک لمبی داستان ہے۔

ہر شخص اپنے بچوں سے محبت کرتا ہے اور انکی وفات کا صدمہ اس کے لئے بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ مجھے اپنے بیٹے بھی پیارے ہیں بیٹیاں بھی پیاری ہیں مگر مذکورہ بالا حدیث نبویؐ اور بچیوں کے بے لوث پیار نے میرے اندر ایسا رنگ پیدا کر دیا ہے کہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ بعض پہلوؤں سے میں لڑکیوں سے زیادہ پیار کرتا ہوں۔ میری بچی عزیزہ امۃ اللہ بیگم میری سب سے بڑی لڑکی تھی۔ میرے ماموں حضرت ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب آف مرثوعہ کی نواسی تھی۔ میں ابھی مدرسہ احمدیہ قادیان کی ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا کہ اسکی ولادت ہوئی میں نے اس خوشی میں اپنے ساتھی طلبہ کو ایک پارٹی دی تھی۔ عزیزہ امۃ اللہ ایک ہونہار سعادتمند اور نہایت نیک بچی تھی۔ وہ ابھی چھ سات سال کی تھی کہ اسکی والدہ محترمہ میری پہلی بیوی محترمہ زینب بیگم صاحبہؓ وفات پا گئیں اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئیں۔ میرے تینوں بے ماں کے بچے (عزیزہ امۃ اللہؓ، عزیزہ امۃ الرحمٰن سلمہا اللہ اور عزیز عطاء الرحمٰن سلمہ اللہ) اپنی دوسری والدہ، میری موجودہ رفیقۂ حیات محترمہ سعیدہ بیگم صاحبہ کی آغوش میں پروان چڑھے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہمیشہ ہی انتہائی پیار و محبت سے گذارہ ہوتا رہا ہے اور انہوں نے حقیقی ماں کی طرح بچوں کو پالا۔ جزاھا اللہ تعالیٰ۔

عزیزہ امۃ اللہ بیگم نے مڈل کے بعد لجنہ کے زیر انتظام مذہبی تعلیم کا چار سالہ کورس پورا کیا۔ ذاتی مطالعہ کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی سے ادیب عالم کا امتحان بھی پاس کیا۔ وہ پندرہ سال تک جماعت کی مستورات کے احمدی ماہنامہ مصباح کی مدیرہ رہی۔ اب مصباح کی علمی اور دینی حیثیت ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عزیزہ کو تحریر کا ملکہ بھی بخشا تھا بہت اچھے مضامین لکھتی تھی۔ اسے قوت گویائی بھی عطا فرمائی تھی بہت عمدہ تقریر کرتی تھی طبیعت

میں روانی اور جوش تھا مستورات کے جلسہ سالانہ میں بھی اکثر اسکی تقریر رکھی جاتی تھی محنت اور پوری تیاری سے تقریر کرتی تھی درحقیقت اسکی زندگی کے یہی پہلو تھے جن کی وجہ سے مجھے اس سے غیر معمولی پیار تھا اور میں سمجھتا تھا کہ گو میرے بیٹے عزیز عطاء الرحمٰن طاہر مولوی فاضل نے بھی زندگی وقف کی اور دینی تعلیم بھی حاصل کی مگر بعض روکوں کی وجہ سے اسے سرکاری ملازمت میں جانا پڑا اور دوسرے بیٹے ابھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اسلام احمدیت کی خدمت میں قلم و زبان سے جہاد میں ابھی تک عزیزہ امۃ اللہ سب سے بڑھ کر میری آنکھوں کی ٹھنڈک تھی (عزیزہ کی وفات پر میرے دوسرے بڑے بیٹے عزیز عطاء الکریم شاہد بی اے سلمہ اللہ نے بھی خدمت اسلام کیلئے زندگی وقف کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین) عزیزہ بیماری کے باوجود خدمت دین کے کام کو جاری رکھتی رہی اسلئے مجھے اس سے بہت پیار تھا اسے بھی مجھ سے بے حد محبت تھی آخری بیماری میں اسنے اس امر کو گوارا نہ کیا کہ میں کبھی جلسے بھی اس سے دور جاؤں میرا قادیان کا ویزا ختم ہو رہا تھا بیماری کی شدت کے باعث میرے دل میں بار بار تحریک پیدا ہوئی کہ دارالامان میں درویش حضرات کی معیت میں بھی عزیزہ کی شفایابی کیلئے دردمندانہ التجا کی جائے مگر جب ذکر کیا تو عزیزہ نے کہا کہ ابا جان! آپ میرے پاس سے دور نہ جائیں۔

عزیزہ نے سینتیس سال کی زندگی تقویٰ اور پرہیزگاری سے بسر کی اسلئے رؤیائے صادقہ ہوتی تھیں اسکی خوابیں اکثر واضح طور پر پوری ہوتی تھیں وہ چند ماہ سے زیادہ بیمار تھی بعض عورتوں نے اسے بتایا تھا کہ اسکی بیماری اپریشن سے دور ہو جائیگی میں آخر اگست ۱۹۶۰ء میں ایک ماہ ان ایئرپورٹ کراچی میں اپنے بیٹے عطاء الرحمٰن طاہر کے ہاں تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ اپریشن کے بعد عزیزہ امۃ اللہ کی وفات ہو گئی ہے اور وہ ہمارے پاس سے چلی گئی ہے صبح میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میں نے امۃ اللہ کے بارے میں ایک تشویشناک خواب دیکھا ہے اس نے بتایا کہ ابا جان! میں تو دیکھ چکا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اس سال کے آخر تک آپا کی زندگی ہے۔ میں جب ربوہ پہنچا تو عزیزہ کی طبیعت زیادہ کمزور تھی ہم اسے لاہور لے گئے ایک جرمن ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد علاج تجویز کر دیا اور کہا کہ اپریشن کی ضرورت نہیں میں نے خواب کی بناء پر اس کو بہتر سمجھا۔ مگر جب ستمبر کے آخری عشرہ میں تکلیف بہت بڑھ گئی تو پھر عزیزہ کے دل میں اپریشن کا خیال زور پکڑ گیا میں نے ہزار تدبیر سے ٹالنا چاہا مگر معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر مبرم تھی۔ لاہور لے جانیکے لئے سب سامان بسہولت میسر آ گئے آخر ۲۳ ستمبر بروز جمعہ شفا میڈیکو لاہور کے مالک چوہدری عبدالسمیع صاحب کی کمال مہربانی سے ان کی ایمبولینس کار میں عزیزہ کو لاہور پہنچایا گیا۔ ۲۴ رکو اپریشن ہو گیا اور بظاہر اچھا ہو گیا مگر تقدیر غالب آئی اور ۲۶ ستمبر کو عزیزہ امۃ اللہ خورشید اپنے ارحم الراحمین خدا کی وسیع تر رحمتوں سے حصہ پانے کیلئے مرحومہ ہو گئی۔ رضی اللہ عنہا وارضاھا۔

عزیزہ کی شادی میرے شاگرد محترم حکیم خورشید احمد صاحب شاد مولوی فاضل سے ۱۹۴۵ء میں محترم حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی تحریک سے ہوئی اللہ تعالیٰ کے فضل سے میاں بیوی میں نہایت اچھے تعلقات تھے۔ اُن کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا جس کا احساس ماحول کی وجہ سے بعض دفعہ خاص طور پر عزیزہ کو ہوتا تھا۔ بہرحال مشیت ایزدی اسی طرح تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسکی دینی خدمات ایسی ہیں کہ جماعت احمدیہ میں ہمیشہ "امۃ اللہ مدیرہ مصباح" کا ذکر خیر ہوتا رہیگا انشاء اللہ۔

ابھی زخم بہت تازہ ہے اسلئے اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ آئندہ نمبر میں تعزیت نامے بھیجنے والے بھائی بہنوں کے تذکرہ کے ساتھ ذرا تفصیل سے حالات درج کروں گا انشاء اللہ۔ ہاں اتنا اعلان کر دیتا ہوں کہ عزیزہ امۃ اللہ مرحومہ کے ایصال ثواب کے لئے میں عزیزہ کے بعض رشتہ داروں کے اشتراک سے "امۃ اللہ خورشید یادگاری فنڈ" قائم کر رہا ہوں جس سے میری زندگی تک ایک غریب بچی اور ایک غریب بچے کو پانچ پانچ روپے کا امدادی تعلیمی وظیفہ دیا جاتا رہے گا انشاء اللہ۔ اور طبقہ نسواں کے لئے مفید لٹریچر بھی شائع ہوتا رہے گا۔ وباللہ التوفیق۔

خاکسار

غمزدہ ابوالعطاء جالندھری

۱۰ راکتوبر ۱۹۶۰ء

"الفردوس"

انارکلی میں

لیڈیز کپڑے کے لئے

آپ کی اپنی

دکان ہے

"الفردوس"

۸۵۔ انارکلی لاہور

آنکھوں کی جملہ بیماریوں کے لئے بے نظیر تحفہ

نور کاجل

- آنکھوں کو بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔
- نظر کو صاف اور تیز کرتا ہے۔
- آنکھوں کو گرد و غبار سے صاف کرتا ہے۔
- خارش، پانی بہنا، پھیپی اور ناخونہ کا بہترین علاج ہے۔

بوقتِ ضرورت ایک ایک سلائی آنکھوں میں ڈالیں۔
قیمت فی شیشی ۱۲ علاوہ محصول ڈاک و پیکنگ۔

حَبّ منوّر

- معدہ و جگر کے لئے بہترین ٹانک۔ جو معدہ اور جگر کی اکثر امراض کا بہترین علاج ہیں۔ جن میں منوّر (خبث الحدید) کو متعدد ایسی ادویہ کے ساتھ شامل کیا گیا ہے جو معدہ و جگر کے لئے بہت مفید ہیں۔
- ان کے استعمال سے کھانا اچھی طرح ہضم ہو کر خون صالح پیدا ہوتا ہے۔ ضعفِ ہضم، نفخ، قراقر وغیرہ دُور ہو جاتے ہیں۔
- ضعفِ جگر، ورم جگر، نفخ جگر، وصلابتِ جگر وغیرہ کا نام و نشان نہیں رہتا۔

خوراک دو گولی صبح دو شام بعد غذا ہمراہ عرق کاسنی و سونف۔
قیمت فی شیشی ۶۰ گولی دو روپے علاوہ محصول ڈاک و پیکنگ۔

تیار کردہ
خورشید یونانی دواخانہ۔ گولبازار۔ ربوہ

نرخنامہ اشتہارات

آئندہ سے چند صفحات اشتہارات کے لئے مخصوص ہوں گے۔
نرخنامہ حسب ذیل ہے:۔

اُجرت ٹائیٹل بیرونی	پینتیس ۳۵ روپے	÷	اُجرت نصف صفحہ	پندرہ روپے
" " اندرونی	تیس ۳۰ روپے	÷	" ¼ "	آٹھ روپے
" عام صفحہ	پچیس ۲۵ روپے	÷	(مینیجر الفرقان ربوہ)	

فہرست کتب مکتبہ الفرقان ربوہ

نام کتب	قیمت		
حیات طیبہ مصنفہ شیخ عبدالقادر صاحب فاضل	-	-	۷
شانِ رسول عربیؐ (حضرت مسیح موعودؑ کے اقتباسات)	-	-	۴
بہائی تحریک کے متعلق پانچ مقالے (مجلد)	-	۴	۲
بہائی شریعت اور اس پر تبصرہ	-	۱۲	۱
درد و درماں ۔ فارسی منظوم مصنفہ شیخ محمد احمد صاحب مظہر	-	۸	۱
اسلام پر ایک نظر	-	۱۰	-
رسالہ فتوحاتِ الٰہیہ (مجلد)	-	-	۱
تیوڈ مسکوری (انگریزی، عربی اور اردو کا ٹریکٹ)	-	۲	-
ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مجلد)	-	-	۴
حقیقۃ النبوۃ (حصہ اوّل)	-	-	۳
کلمۃ الحق (شیعوں سے مباحثہ) (زیر طبع)	-	۸	-
درود شریف	-	۴	۱
اسلام کا اقتصادی نظام	-	۸	۱
نظامِ نو	-	۴	۱
حیاتِ قدسی (حصہ چہارم)	-	-	۲
حیاتِ قدسی (حصہ اوّل)	-	-	۱
نبذۂ از کلام احمد علیہ السلام (فارسی) مجلد	-	۱۲	-
مکتوباتِ احمدیہ جلد ہفتم	-	۸	۱
قادیانی مسئلہ کا جواب	-	۱۲	-
بیاضِ مسیحا جلد دوم	-	۴	۲
مولانا مودودی کے تحقیقاتی عدالت میں بیان پر صدر انجمن احمدیہ کا تبصرہ	-	۱۵	-
حیاتِ بقاپوری (حصہ دوم)	-	۱۲	-
مسلمان عورت کی بلند شان (مجلد)	-	۸	۱
ہماری ہجرت اور قیام پاکستان (غیر مجلد)	-	۶	-
اسلامی اصول کی فلاسفی	-	۱۲	-
تبلیغِ ہدایت	-	-	۳

محصول ڈاک علاوہ ہے

مسلمانوں میں فرقہ ناجیہ کونسا ہے؟

(حضرت سیٹھ عبداللہ الٰہ دین صاحب سکندرآباد ۔ انڈیا)

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کے تہتّر فرقے ہو جائیں گے۔ وہ سب کے سب ناری ہوں گے۔ سوائے ایک کے پھر اس ایک جنتی فرقے کی یہ نشانی بتائی کہ "ما انا علیہ و اصحابی" یعنے وہی کام جو میں اور میرے اصحابؓ کرتے ہیں۔ وہ بھی کریں گے آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ دن رات جو کام کرتے تھے۔ وہ تبلیغ اسلام تھا پس موجودہ مسلمانوں میں جنتی فرقہ وہی ہے جو تمام جہان میں دن رات تبلیغ اسلام کرتا ہے جنتی فرقہ خود خدا تعالیٰ ہر صدی میں قائم کرتا رہا ہے وہ اس طرح کہ صدی کے شروع میں ایک ربّانی مجدد مبعوث فرماتا ہے اور اسکے ذریعہ سے تبلیغی فرقہ قائم کرتا ہے اس طرح اس زمانے میں بھی خدا تعالیٰ نے ایک عظیم الشان ربّانی مجدّد مبعوث فرمایا ہے اور ایک تبلیغی و جنتی فرقہ قائم کیا ہے۔ یہ ربّانی فرقہ دن رات تمام جہان میں تبلیغ کرتا ہے۔ اس کے تمام جہان میں مشن قائم ہیں۔ یہ بیرونی ممالک میں مساجد تعمیر کرتے ہیں قرآن مجید مختلف زبانوں میں شائع کرتے ہیں اس طرح تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لئے سالانہ لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ یہ فرقہ احمدی جماعت ہے۔ لاکھوں لوگوں نے اس کو مانا۔ اسلامی کام کرنے والا دنیا میں دوسرا کوئی ایسا فرقہ نہیں ہے صرف ربّانی فرقہ ہی یہ تبلیغی کام کر رہا ہے پھر بھی جو لوگ تبلیغی اور ربّانی فرقے کے ساتھ نہ ہوں گے اور مخالفت کریں گے اور اسی حالت میں وفات پائیں گے تو وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان کے مطابق اپنی آخرت تباہ کرلیں گے اسلئے آخرت کا خوف رکھنے والے سوچیں اور جلد حق کو قبول کرلیں کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے ؛